بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاجماع

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

مسلمان قوم نے اپنے ذوق علم پروری کی بنا پر جن علوم و فنون کو مدون کیا ان میں ایک علم "اصول فقہ" ہے۔ بقول "دائرۃ المعارف"

"علوم شرعیہ میں سے ایک نہایت مہتم بالشان علم ہے، بلکہ شریعت اسلامی کے بنیادی مآخذ (قرآن و سنت اجماع اور قیاس) کو صحیح و صائب طریق پر سمجھنے اور ان سے مسائل کے صحیح استنباط کے لیے کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔[۱]"

اس علم کی تعریف کرتے ہوئے ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ان علم اصول الفقہ علم یبحث فیہ عن اثبات الادلۃ للاحکام۔[۲]

یعنی وہ علم جس میں احکامات کے لیے دلائل ثابت کرنے کی بحث ہو۔

ابوالعینین لکھتے ہیں:

ھو مجموعۃ القواعد والبحوث التی یتوصل بھا الی استنباط الاحکام الشرعیۃ العلمیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ۔[۳]

ان قواعد و ابحاث کا مجموعہ جو احکام شرعیہ علمیہ کے تفصیلی دلائل سے استنباط تک پہنچائے۔

جناب رسالت مآب علیہ السلام کے عہد سعادت میں شریعت اسلامیہ کے ماخذ

کتاب وسنت تھے، تاہم کبھی کبھار آپ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مشورہ سے بھی فیصلے صادر فرمائے اور انہیں "اجتہاد" کی ترغیب بھی دی۔ عہد صحابہ میں کتاب وسنت کے علاوہ قیاس[۴] اور اجماع صحابہ کرام کی بنیاد پر بھی فیصلے صادر ہوتے تھے۔ تابعین کے دور میں ماخذ شریعت یہی رہے تاہم صحابہ کرام کے فتاوی کو اصول فقہ کی ایک "اصل" بنا دینے کا رجحان اسی دور میں پیدا ہوا، چنانچہ۔

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی آراء کو معیار قرار دیتے ہیں تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی مختلف آراء میں سے کتاب وسنت کے قریب تر رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور امام مالک قدس سرہ تو صحابہ کرام کے فتاوی ہی پر عمل کرتے ہیں[۵]"

کہا جاتا ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید امام ابویوسف[۶] رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اصول فقہ کے قواعد کا ایک مجموعہ مرتب کیا لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ مجموعہ اس وقت دنیا میں میسر نہیں، اس لیے بالعموم اصول فقہ کی تدوین کا سہرا حضرت الامام الشافعیؒ (محمد بن ادریس م ۲۰۳ھ) کے سر باندھا جاتا ہے جن کی معروف اور معرکۃ الآراء کتاب "الرسالہ" کے ذریعہ اصول فقہ کی تدوین کا آغاز ہوتا ہے[۷] اس آغاز کے بعد اس عنوان سے ایک عظیم ذخیرہ تیار ہوتا چلا گیا۔ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے "کتاب السنۃ" "کتاب العلل" اور کتاب الناسخ والمنسوخ لکھ کر اس کام کو مزید ترقی دی[۸]

اس کے بعد اس عنوان سے جو کام ہوا اس کو تین طریقوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے علماء علم کلام علماء حنفیہ اور متأخرین اہل علم کا طریقہ۔

علماء علم کلام کے طریق پر جو کام ہوا اس میں علماء شوافع اور مالکیہ بھی شامل ہیں۔ اس طریق میں منطقی طریق استدلال اور علمی انداز پر زور تھا اپنے مسلک کی طرف داری نہ تھی جیسا کہ امام شافعیؒ کے پیروکار "الامدی نے" اجماع سکوتی کو حجت قرار دیا جبکہ امام شافعیؒ اسے حجت نہیں مانتے[۹] اس طریق سے مرتب شدہ کتب میں امام الحرمین الجوینی کی کتاب البرہان" اور امام غزالی کی کتاب "المستصفی" خاص طور پر قابل ذکر ہیں[۱۰]

دوسرا طریق علماء احناف کا ہے اس سلسلہ میں حنفی اصول و فروعات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا[۱۱] اس ضمن کی کتابوں میں تقویم الادلۃ (ابوزید الدبوسی م ۴۳۰ھ) "اصول الجصاص" (ابوبکر الجصاص م ۳۷۰ھ) "تمہید الفصول فی الاصول" (شمس الائمہ السرخسی م ۴۸۳ھ) "اصول البزدوی" (فخر الاسلام البزدوی) اور کتاب المنار" ابوالبرکات نسفی م ۷۹۰ھ) کو بڑی اہمیت حاصل ہے[۱۲]

تیسرا طریق جو متاخرین کا تھا اس میں چاروں فقہی مکاتب فکر کے علماء شامل ہیں، اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں علماء کلام و علماء حنفیہ کے درمیان جمع کی کوشش کی گئی ان کتابوں میں "بدیع النظام الجامع بین کتابی البزدوی والاحکام" (ابن الساعاتی م ۶۹۴) "تنقیح الاصول" (صدر الشریعۃ م ۷۴۷ھ) وغیرہ کو خاص امتیاز حاصل ہے[۱۳]

بعد کے ادوار میں دوسرے علوم و فنون کی طرح اس فن میں بھی انحطاط کا دور دورہ رہا تاہم اب دور جدید میں بالخصوص عرب ممالک میں اس موضوع پر قابل قدر کام ہو رہا ہے[۱۴]

دکتور محمد معروف الدوالیبی نے اپنی نہایت درجہ قابل قدر کتاب "المدخل الی علم اصول الفقہ" میں اس علم کی ضرورت پر بڑی مبسوط بحث کی ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ تشریع کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا تعلق "حاجت و ضرورت" سے ہے۔ انسانی ضروریات کے بڑھنے کے ساتھ تشریع کا معاملہ پھیلتا جاتا ہے، جس کی بنیاد پر "قانون سازی" کی نوبت آتی ہے، قانون سازی کے لیے اس علم کی شدید احتیاج ہے[۱۵]

انہوں نے اس کتاب میں "اصول فقہ" کے ادوار پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور زمانہ ماسبق کی تفصیلات کو بڑی خوبصورتی سے جمع کر دیا ہے[۱۶]

علم اصول فقہ میں شریعت اسلامیہ کے منابع و مصادر پر بحث کی جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فقہ کے مسلمہ ماخذ چار ہیں قرآن مجید۔ سنت۔ اجماع اور قیاس لیکن الشیخ ابوزہرہ کے مطابق مختلف مسالک میں اس تعداد کے سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے۔ "اہل ظواہر" کے نزدیک ان کی تعداد صرف تین ہے یعنی الکتاب، السنۃ، الاجماع (وہ قیاس کو نہیں مانتے) شوافع "الاستصحاب" کا اضافہ کر کے پانچ کہتے ہیں، احناف استحسان اور عرف کا اضافہ کرتے ہیں گویا ۵+۲=۷ اور حنابلہ مذکورہ

Delhi

پانچ پر "المصالح اور سد الذرائع" کا اضافہ کرتے ہیں حضرات مالکیہ ان سب کو مصادر فقہ میں شمار کرتے ہیں[۱۸] تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ بنیادی ماخذ چار ہی ہیں یعنی الکتاب، السنۃ، الاجماع، القیاس باقی ثانوی درجہ کے ماخذ ہیں، جن کی تفصیل کا موقعہ نہیں[۱۹] ان میں سے "الاجماع" پر اس وقت گفتگو مقصود ہے۔

الاجماع: لغت میں "العزم والاتفاق" کو کہا جاتا ہے[۲۰] جبکہ اصطلاحاً "اجماع" کا معنی ہے۔

الف: یہ اتفاق ہے مجتہدین کا یعنی ان کا جو بربنائے علم کوئی ذاتی رائے قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے بعد کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی شرعی مسئلے پر[۲۱]

ب: ھو اتفاق المجتھدین من ھذہ الامۃ فی عصر علی امر من الامور۔[۲۲]

اس امت کے مجتہدین کا اتفاق کسی بھی زمانہ میں، امور مہمہ میں سے کسی امر پر

ج: ھو اتفاق جمیع المجتھدین من المجتھدین فی عصر من العصور بعد وفاۃ الرسول علی حکم شرعی فی واقعۃ۔[۲۳]

مسلمانوں کے تمام مجتہدین کا حضور علیہ السلام کی وفات شریفہ کے بعد کسی بھی زمانہ میں کسی واقعہ کے شرعی حکم پر اتفاق و اجماع۔

د: اتفاق مجتھدین صالحین من امۃ محمد فی عصر۔[۲۴]

ھ: والاجماع ھو اتفاق المجتھدین من الامۃ الاسلامیۃ فی عصر من العصور بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی حکم شرعی فی امر من الامور العلمیۃ۔[۲۵]

و: الاجماع اتفاق المجتھدین من ھذہ الامۃ فی عصر علی حکم شرعی[۲۶]

ز: اتفاق مجتھدی عصر من ھذہ الامۃ بعد وفات نبینا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی امر دینی۔[۲۷]

"موسوعہ" میں اصطلاحی معنی پر جو گفتگو کی گئی ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ اجماع یا تو مطلق ہوگا یا مضاف۔

مطلق وہ ہے جس میں لفظ اجماع کو کسی معین فریق کی طرف اضافت و نسبت کے بغیر بیان کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ "زکوۃ" کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے، اس میں ہر عصر و دور اور ہر طبقہ کا اجماع مراد ہے، یا اس کی اضافت و نسبت امت، مسلمانوں، علماء یا اس جیسے کسی طبقہ کی طرف ہو جس سے عموم کا فائدہ سامنے آئے کسی فریق کا اختصاص نہ ہو۔

مثلاً کہا جائے کہ پانچ نمازوں کی مکلف پر فرضیت کا معاملہ اجماع امت سے ثابت و منعقد ہے یا مسلمانوں کا اجماع اطاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قائم ہے۔

اجماع مضاف وہ ہے جس میں کسی خاص فریق کی طرف نسبت و اضافت کے الفاظ ہوں مثلاً اجماع اهل المدينة، اجماع عترة الرسول، اجماع اہل الحرمین، اجماع الشیخین، اجماع الخلفاء الراشدین وغیرہ ذالک۔ جتنی تعریفیں مذاہب اربعہ معروفہ اور دیگر علماء سے منقول ہیں وہ سب اجماع مطلق سے متعلق ہیں۔

ان کے علاوہ جو دوسرے مکاتب فکر و مذاہب ہیں وہاں تعریف میں اختلاف ہے کہیں کم کہیں زیادہ۔[۵]

موسوعہ کے فاضل مرتبین نے اس اجمالی گفتگو کے بعد تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے مختلف علماء کے حوالے سے "اجماع" کی تعریف پر درج ذیل کلام کیا ہے۔

امام غزالی نے "المستصفی" میں کہا ہے کہ

وهو اتفاق امة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم خاصة على امر من امور الدينية۔

"جس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے پوری امت کو اس میں شامل کیا اور "مجمع علیہ" وہ چیز قرار دی جو خاص طور پر امور دینیہ میں سے ہو"۔ اس پر "آمدی" نے "الاحکام" میں دو اعتراض کئے ایک تو یہ کہ غزالی نے "امت محمدیہ" کی بات کی ہے جس کا

معنی یہ ہوگا کہ" انعقاد اجماع ہوگا ہی نہیں کہ امت تو قیامت تک کے زمانہ پہ مشتمل ہے دوسرا اعتراض یہ ہوگا کہ" امر دینی" کی قید لگانے کا معنی یہ ہے کہ کوئی عقلی قضیہ یا عرفی قضیہ حجت شرعی نہ ہو جبکہ ایسا نہیں۔ اس لیے آمدی کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ اس طرح تعریف کی جائے۔"

الاجماع عبارة من اتفاق جملة اهل الحل والعقد من امة محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی عصر من الاعصار علی حکم واقعة من الوقائع۔[۲۹]

گویا" اتفاق" کی بات جو آمدی نے کی وہ

یعم الاقوال والافعال والسکوت والتقریر۔

اور" جملة اهل الحل والعقد" کہنے سے بعض کا اتفاق یا عام لوگوں کا اتفاق خارج ہو گیا جبکہ" من امة محمد" کی قید سے شرائع سابقہ کے اہل حل وعقد خارج ہو گئے۔ اور" علی حکم واقعة" کی قید سے" اثبات، نفی، احکام عقلیہ وشرعیہ" سب شامل ہو جائیں گے۔

النسفی نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

هو اتفاق علماء کل عصر من اهل العدالة والاجتهاد علی حکم۔[۳۰]

عبدالعزیز البخاری نے" اصول البزدوی" کے حاشیہ میں مجتہدین کے اتفاق کا ذکر کیا اس طرح کہ" فی عصر علی امر من الامور" جبکہ صاحب" ارشاد الفحول" نے" بعد وفات النبی" کی قید لگائی کیونکہ ان کے بقول" فی عصره" جو اجماع ہوگا اس کا اعتبار نہیں وہاں اصل مسئلہ آپ کی ذات گرامی کا ہے (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم)[۳۲]

"اہل ظواہر کے نزدیک اجماع نام ہے امت کے اتفاق کا، خاص ہوں یا عام لیکن محض ضروریات دین میں اور ان کے علاوہ جو معاملات ہیں ان میں محض صحابہ کرام کا اتفاق واجماع معتبر ہے جس کا مفہوم یہ ہوا کہ۔

ان الظاهرية لا یعتبرون اتفاق غیر الصحابة فیما وراء اصول الدین

المعلومة بالضرورة اجماعا۔[۳۳]

کہ اصول دین کے علاوہ باقی معاملات میں صرف صحابہ کرام کا اجماع معتبر ہے اور کسی کا نہیں۔

زیدیہ کے نزدیک اجماع کی تعریف دو طرح سے کی گئی ہے۔

الاول، اتفاق المجتہدین من امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی عصر علی امر

الثانی، اتفاق المجتہدین من عترۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

بعدہ فی عصر علی امر۔[۳۴]

"عترۃ رسول" سے مراد حضرت علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اپنے زمانہ میں اور پھر ہر دور میں جو آباء کے حوالے حضرات حسنین کی طرف منسوب ہو۔ بقول علماء زیدیہ آباء کے حوالے سے "منسوب الی الحسنین" کی قید سے وہ لوگ نکل گئے جو ان حضرات کی طرف منسوب تو ہیں لیکن عورتوں کے حوالہ سے جیسے سکینہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کیونکہ ان کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا تھا[۳۵]

امامیہ کے نزدیک وہ اجماع قابل قبول ہوگا جسے "امام معصوم" کی تائید حاصل ہو[۳۶]

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "نظام المعتزلی" کے حوالہ سے یہ تعریف کی،

الاجماع عبارۃ عن کل قول قامت حجتہ وان کان قول

واحد۔[۳۷]

یعنی ایسا قول جس کے لیے کوئی دلیل ہو وہ اجماع ہے گو کہ اس کا قائل ایک ہی ہو۔

لیکن امام غزالی، آمدی اور ابن قدامہ مقدسی الحنبلی نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ یہ تعریف لغت کے اعتبار سے ہی غلط ہے[۳۸]

اس گفتگو کے بعد اب ہم اس مسئلہ پر کلام کریں گے کہ "اجماع" کے حجت ہونے کے متعلق اہل علم نے کیا کہا؟

آمدی نے لکھا ہے۔

اتفق اکثر المسلمین علی ان الاجماع حجۃ شرعیۃ یجب

العمل بہ علی کل مسلم خلافا للشیعۃ والخوارج والنظام

من المعتزلۃ۔[۳۹]

ترجمہ: کہ اکثر مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اس کے ذریعہ جو بات ثابت ہو اس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے البتہ شیعہ، خوارج اور نظام معتزلی اس میں اختلاف کرتے ہیں "مسلم الثبوت اور اس کی شرح میں ہے۔

الاجماع حجة قطعا ویفید العلم الجازم عند الجمیع من اهل القبلة ولا یعتد بشر ذمة من الحمقی الخوارج والشیعة۔ [۴۰]

ترجمہ: اجماع حجت قطعی ہے یہ یقینی علم کا فائدہ پہنچاتا ہے، سبھی اہل قبلہ کا موقف یہی ہے۔ ہاں احمقوں کی ایک قلیل جماعت جو شیعہ اور خوارج پر مشتمل ہے، وہ اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

نظام معتزلی تو "اجماع" کی اصل تعریف ہی نہیں مانتا وہ تو محض یہ کہتا ہے کہ ہر وہ قول جو مدلل ہو اجماع ہے جیسا کہ نقل ہوا شیعہ اجماع کو اس لیے حجت نہیں مانتے کہ وہ اجماع ہے بلکہ وہ اس کو اس لیے اہمیت دیتے ہیں کہ وہ امام معصوم کے قول پر مشتمل ہے اگرچہ امام معصوم تنہا ہی ہو۔[۴۱]

خوارج کہتے ہیں کہ جب تک صحابہ میں اختلاف رونما ہوا تھا اس سے قبل ان کا اجماع معتبر تھا اختلاف کے بعد نہیں۔[۴۲]

خلاف لکھتے ہیں:

کان هذا الحکم المتفق علیه قانونا شرعیا واجبا اتباعه و لا یجوز مخالفته۔ [۴۳]

یہ حکم جو متفق علیہ اور مجمع علیہ ہو، ایسا قانون شرعی ہے جس کی اتباع واجب و لازم ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

"الخبازی" لکھتے ہیں۔

قال عامة العلماء، اجماع هذه الامة حجة موجبة للعلم شرعًا کرامة لهذه الامة۔ [۴۴]

ترجمہ: اس امت کا اجماع عام علماء کے بقول ایسی حجت ہے جو شرعاً موجب علم ہے اور یہ دراصل اس امت کا اعزاز ہے۔

ابن الہمام کہتے ہیں۔

وھو حجة قاطعة عند الاکثر خلافا للنظام فی آخرین۔ ۴۴

اکثر کے نزدیک یہ قطعی حجت ہے ہاں نظام اور شیعہ و خوارج اس سے اختلاف کرتے ہیں (آخرین سے مراد شیعہ اور خوارج ہیں ۴۵

الخضری لکھتے ہیں۔

وھو حجة قطعیة۔ ۴۶

اجماع" کو حجت کہنے والے حضرات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے استدلال کرتے ہیں ساتھ ہی وہ عقلی طور پر استدلال کرتے ہیں۔ عقلی استدلال کے طور پر ان کا کہنا ہے۔

لان العدد الکثیر وان بعد فی العقل اجتماعھم علی الکذب فلا یبعد اجتماعھم علی الخطاء کاجتماع الکفار علی جحد النبوة۔ ۴۷

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد کا جھوٹ پر مجتمع ہونا عقلاً محال ہے الخ

کتاب اللہ کی پانچ آیات ایسی ہیں جن سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

(۱) سورۃ النساء آیت ۱۱۵

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔

ترجمہ: اور جس شخص پر "الھدی" (یعنی ہدایت کی حقیقی راہ) کھل جائے اور اس پر بھی وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے اور "مومنوں" کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو ہم اسے اسی طرف کو لے جائیں گے جس (طرف) کو جانا اس نے پسند کر لیا ہے اور اسے

دوزخ میں پہنچا دیں گے اور (جس کے پہنچنے کی جگہ دوزخ ہوئی تو) یہ پہنچنے کی کیا ہی بُری جگہ ہے[۴۸]

اس آیت سے کس طرح استدلال کیا جائے گا؟ اس پر گفتگو کرتے ہوئے علماء نے لکھا۔

"اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم علیہ السلام کی مخالفت اور مومنوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستہ پر "وعید سنائی۔ ...... جس سے لازم آیا کہ مومنوں کے راستہ کے سوا دوسرا راستہ حرام ہے اگر حرام نہ ہوتا تو رسول کی مخالفت کے ساتھ اس کو جمع نہ کیا جاتا نہ ہی اس پر وعید آتی۔ اور جب مومنوں کے راستے کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنا حرام ٹھہرا تو گویا ان کے راستہ پر چلنا لازم ٹھہرا، یہ ایسی ضروری بات ہے جس سے کوئی مفر نہیں ـــــ و یلزم من وجوب اتباع سبیلهم کون الاجماع حجة ـــــ تو مسلمانوں کے راستہ کے اتباع کا لزوم ہی اس کی دلیل ہے کہ "اجماع" حجت ہے[۴۹]

السید رشید رضا مصری اس آیت کے اس جملہ "ویتبع غیر سبیل المومنین" کے متعلق لکھتے ہیں:

الذین هم اهل الهدی، وانما سبیلهم کتاب الله وسنة رسوله۔[۵۰]

"المؤمنین" سے مراد اہل ہدایت ہیں، اور ان کا راستہ وہی کتاب وسنت کا راستہ ہے"

القرطبیؒ فرماتے ہیں۔

قال العلماء فی قوله تعالیٰ "ومن یشاقق الرسول" دلیل علی صحة القول بالاجماع۔[۵۱]

محمود محمد حمزة، حسن علوان اور محمد احمد برانق اپنی مشترکہ نہایت درجہ مختصر لیکن جامع تفسیر میں لکھتے ہیں:

وتدل هذه الآیة، علی ان اجماع المجتهدین من امة محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی امر فی ای عصر حجة ومخالفته حرام۔[۵۲]

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں:

هذا ملازم للصفة الاولى الخ

کہ مسلمانوں کے راستہ کی مخالفت پہلی صفت یعنی اختلاف مع الرسول کے ساتھ لازم ہے کبھی اس چیز سے مخالفت ہوتی ہے جس کا ثبوت شارع سے ہے اور کبھی اس سے جس پر امت مجتمع ہوتی ہے ایسی چیز جس میں امت کا تحقیقی علم ہو اسے بھی ایک طرح کی عصمت (مجموعہ کو) حاصل ہوتی ہے اور اس کا سبب اس امت کی شرافت و کرامت ہے اور اس کے نبی کی تعظیم (کہ اس کی نسبت سے امت کو یہ مقام ملا) ـــ علماء نے اس سے تواتر معنوی ثابت کیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (بلکہ سبھی نے) اجماع کے حجت ہونے پر اس سے استدلال کیا اور یہ بھی کہا کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے[۵۳]

الشیخ ابو زہرہ فرماتے ہیں۔

وان هذا النص الكريم اثبت ان اتباع غير سبيل المومنين حرام لان من يفعل ذالك يشاق الله ورسوله ويصله الله تعالىٰ جهنم وساءت مصيرا واذا كان اتباع غير سبيل المومنين حراما فان اتباع سبيلهم واجب ومن يخالفهم ويقرر نقيض رايهم لا يكون متبعا لسبيلهم، فاذا قالت الجماعة المومنة هذا حلال يكون غير متبع سبيلها من يقول هذا حرام' و ان ذالك هو اتباع ما يقضى به الاجماع ' فالاجماع على هذا حجة يجب الاخذ بها فى الاستنباط من نصوص الشرع ـ[۵۴]

یہ نص ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ کی اتباع حرام ہے کیونکہ جو شخص ایسا کریگا گویا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مخالفت کریگا۔ اور اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو برا ٹھکانا ہے پس جب مسلمانوں کے راستہ کے سوا کسی دوسرے راستہ کی اتباع حرام قرار پائی تو

ان کے راستہ کی اتباع لازم ہوئی اگر جوان کی مخالفت کرے اور ان کی راستے کے علی الرغم کوئی اور راستے بنائے تو وہ ان کے راستہ کا متبع نہیں کہلائیگا پس جب ایک مسلمان جماعت کہے کہ یہ حلال ہے تو انکے راستہ کا مخالف وہ ہوگا جو کہے گا کہ نہیں یہ حرام ہے اور یہی وہ اتباع ہے جس کے ساتھ اجماع کا فیصلہ ہوتا ہے پس اس اصول پر اجماع حجت ہوگا۔ استنباط میں اس سے استفادہ نصوص شریعت میں سے ہے۔

الخبازی کہتے ہیں،

جعل مخالفتهم احد شطري استيجاب النار كمشاقة الرسول صلى الله عليه وسلم۔ [۵۵]

کہ اس آیت میں مسلمانوں کے راستہ کی مخالفت جہنم کے لازم ہونے کے دو اسباب میں سے ایک ہے ایسے ہی جیسے رسول اکرم علیہ السلام کی مخالفت۔

الخلاف کہتے ہیں

فجعل من يخالف سبيل المومنين قرين من يشاقق الرسول۔ [۵۶]

مسلمانوں کے راستہ کے مخالف کو اس شخص کا ساتھی قرار دیا گیا جس نے رسول کی مخالفت کی

الخضری کہتے ہیں:

فان ذالك يوجب اتباع سبيل المومنين۔ [۵۷]

معروف دوالیبی کہتے ہیں:

ووجه الاحتجاج بالاية انه تعالى انذر من يتابع غير سبيل المومنين ولو لم يكن ذالك محرما لما توعد الله عليه۔ [۵۸]

اس آیت سے احتجاج یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے راستہ کے سوا دوسرے راستہ پر چلنے سے ڈرایا اگر یہ حرام نہ ہوتا تو وعید کیوں ہوتی۔

الاستاذ ملا جیون فرماتے ہیں

فجعلت مخالفة المومنين مثل مخالفة الرسول فيكون اجماعهم كخبر الرسول حجة قطعية۔ [۵۹]

مسلمانوں کی مخالفت کو مانند قرار دیا گیا پس مسلمانوں کا اجماع حضور علیہ السلام کی خبر و ارشاد

کے مطابق حجت قطعی ہوگا۔

(۲) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرۃ ۱۴۳)

اور مسلمانو! جس طرح یہ بات ہوئی کہ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ "قبلہ" قرار پایا، اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمہیں "نیک ترین امت" ہونے کا درجہ عطا فرمایا تاکہ تمام انسانوں کے لیے (سچائی کی) گواہی دینے والے ہو اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول گواہی دینے والا ہو۔[۶۰]

اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ:

ان اللہ تعالیٰ عدل هذه الامة لانه تعالیٰ جعلهم وسطا والوسط من کل شی اعدله قال اللہ تعالیٰ "قال اوسطهم الم اقل لکم لولا تسبحون ای اعدلهم

(یہ سورۂ القلم کی آیت ۲۸ کا حوالہ ہے جس کا ترجمہ ہے ان باغ والوں میں سے جو بہتر آدمی تھا اس نے کہا کیوں میں تم سے کہتا نہ تھا کہ تم خدا کی پاکی کیوں بیان نہیں کرتے ہو۔[۶۱]

وقال الجوهری الوسط من کل شی اعدله ..... ای عدولا وقد عدل اللہ تعالیٰ جعلهم وسطا بان یکونوا شهداء علی الناس والشاهد لا بد ان یکون عدلا، وهذا التعدیل الحاصل للامة۔[۶۲]

اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عدالت کا ذکر کیا کہ اس کو "وسط" بنایا "ہر چیز میں سے "وسط" وہ کہلاتا ہے جو اس میں سے "اعدل تر" ہو جیسا کہ سورۂ القلم کی آیت کا حوالہ ہے اور جوہری فرماتے ہیں ہر چیز میں سے وسط وہی ہے جو اعدل تر ہو — اسے وسط بنانے کا مفاد یہ ہے کہ یہ امت لوگوں پر گواہی دینے والی ہے اور گواہ کو عدل ہونا لازم ہے اور امت کو یہ تعدیل حاصل ہے۔

الشیخ احمد الصاوی فرماتے ہیں۔

امة وسطا ای خیارا عدولا ای اصحاب علم وعمل ولا یخلو زمان منهم۔[۶۳]

الصابونی کہتے ہیں۔

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا ای کما ھدینا کم الی الاسلام کذالک جعلناکم یا معشر المسلمین امۃ عدولا خیارا ۔ [۶۳]

الشیخ الجصاص الحنفی نے اپنی معروف کتاب "احکام القرآن" میں اس آیت پر "باب القول فی حجۃ الاجماع" کا عنوان باندھا ہے ـــ وہ لکھتے ہیں۔

وفی ہذہ الایۃ دلالۃ علی حجۃ اجماع الامۃ من وجہین احدھا وصفہ ایاھا بالعدالۃ وانھا خیار وذالک یقتضی تصدیقھا والحکم بصحۃ قولھا ونافی لاجماعھا علی الضلال والوجہ الآخر قولہ (لتکونوا شھداء علی الناس) بمعنی شھداء علی غیرھم فقد حکم لھم بالعدالۃ وقبول القول لان شھداء اللہ تعالیٰ لا یکونوا کفارا ولا ضلالا فاقتضت الایۃ ان یکونوا شھداء فی الاخرۃ علی من شاھدوا فی کل عصر باعمالھم دون من مات قبل زمنھم کما جعل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شھیدا علی من کان فی عصرہ ۔ [۶۵]

اس آیت میں اجماع امت کی صحت پر دو وجہ سے دلالت موجود ہے ۔
ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف عدالت بتلایا اور یہ کہ وہ نیک ترین لوگ ہیں۔ یہ بات ان کی سچائی کا تقاضا کرتی ہے نیز انکے حکم کی صحت کا اور اس بات کا کہ ان کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو سکتا۔
دوسری وجہ اسطرح ہے کہ انہیں "شہید علی الناس" کہا گیا تو اس میں بھی گویا ان کی عدالت اور ان کے قول کی سچائی کا اشارہ ہے کیونکہ شہداء کافر و گمراہ نہیں ہوتے اس طرح آیت تقاضا کرتی ہے کہ جو آخرت میں شہید ہیں وہ دنیا میں بھی ہر دور میں اپنے اعمال کے سبب گواہ ہو ـــ یعنی اپنی موت سے قبل جس طرح کہ حضور اکرم علیہ السلام نے انہیں اپنے زمانہ اور دور میں گواہ کا مقام دیا۔

سید رشید رضا کہتے ہیں۔

ان الوسط ھو العدل والخیار وذالک ان الزیادۃ علی المطلوب فی الامر افراط

والنقص عنه تفريط وتقصير وكل من الافراط والتفريط ميل
عن الجادة القويمة فهو شر ومذموم فالخيار هو الوسط
بين طرفي الامر اى المتوسط بينهما ۔۶۶ے
وسط کا معنی ہے عدل و خیار، اس کا مفہوم یہ ہے کہ امر مطلوب پر زیادتی افراط ہے اور
اس سے کمی تفریط و تقصیر اور افراط و تفریط سیدھے راستہ سے انحراف کا نام ہے
اور ظاہر ہے کہ یہ شر اور قابل مذمت ہے پس ”خیار“ ہی وسط ہے کسی امر کے دو اطراف
کے درمیان ۔
القرطبی فرماتے ہیں ۔
وفيه دليل على صحة الاجماع ووجوب الحكم به لانهم اذا كانوا
عدولا شهدوا على الناس فكل عصر شهيد على من بعده فقول الصحابة
حجة وشاهد على التابعين وقول التابعين على من بعدهم واذ جعلت
الامة شهداء فقد وجب قبول قولهم ..... وبيان هذا فى كتب اصول
الفقه ۔۶۷ے
اس آیت میں اجماع کی صحت اور اس کے حکم کے واجب و لازم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ
وہ لوگ عادل ہیں اور لوگوں پر گواہ پس ہر زمانہ کے لوگ بعد والوں پر گواہ ہوں گے جیسا کہ
صحابہ کا قول تابعین پر اور تابعین کا بعد والوں کے لیے حجت ہے اور جب امت گواہ
قرار پائی تو اس کے قول کی قبولیت لازم قرار پائی ۔
اس کا تفصیلی بیان اصول فقہ کی کتب میں ہوگا ۔
الخضری نے اپنی کتاب میں اور مولانا مفتی محمد شفیع نے اپنی تفسیر میں اس پر تفصیلی گفتگو
کی ہے نیز ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی گفتگو کی اور اس آیت کریمہ کو اجماع کے دلائل میں
شمار کیا ۔
حضرت الشیخ القاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں ۔
واستدل به على حجية الاجماع لان بطلان ما اجمعوا عليه ينافي

عدالتھم - ؎

اس آیت سے حجیت اجماع پر استدلال کیا گیا کیونکہ وہ چیز جس پر ان کا اجماع ہو اس کا بطلان ان کی عدالت کے منافی ہے۔

(۳) تیسری آیت جس کو اجماع کے سلسلہ میں علماء نے شمار کیا وہ ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ ؎

مسلمانو! تم تمام امتوں میں "بہتر امت" ہو جو لوگوں (کی اصلاح و ارشاد) کے لیے ظہور میں آئی ہے تم نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے اور اللہ پر (سچا) ایمان رکھنے والے ہو۔

اس آیت سے استدلال اس طرح کیا گیا کہ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں مسلمانوں کی صفت بیان کی گئی کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہیں المعروف اور المنکر میں الف لام "عموم کے لیے ہے" کیونکہ "وہ اسم جنس" پر آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہوا کہ مسلمان ہر نیکی کا حکم دیتے ہیں اور ہر برائی سے روکتے ہیں تو جو شخص ان کے ماموربہ یا منھی عنہ کی مخالفت کریگا وہ ان کے راستہ کا مخالف قرار پائے گا چنانچہ وہ مبطل اور گمراہ ہوگا۔
فماذا بعد الحق الا الضلال- (یونس: ۳۲) پس امر حق کے بعد سوائے گمراہی کے کیا رہ جاتا ہے)۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے صاحب شرح المنار و ارشاد الفحول نے لکھا اگر سب مسلمان خطا پر جمع ہوجائیں تو وہ منکر کا حکم دینے والے اور معروف سے روکنے والے ہوں گے اور یہ بات نص قرآنی کے خلاف ہے ؎

الجصاص الحنفیؒ فرماتے ہیں۔

وفی هذه الاية دلالة على صحة اجماع الامة من وجوه احدها كنتم خير امة ولا يستحقون من الله صفة مدح الا وهم قائمون بحق الله تعالى غير ضالين والثانی اخباره بانهم يامرون بالمعروف

فیما امروا بہ فھو امر اللہ تعالیٰ لان المعروف ھو امر اللہ والثالث انھم ینکرون المنکر، والمنکر ھو ما نھی اللہ عنہ ولا یستحقون ھذہ الصفۃ الا وھم للہ رضی فثبت بذالک ان ما انکرتہ الامۃ فھو منکر وما امرت بہ فھو معروف وھو حکم اللہ تعالیٰ وفی ذالک لما یمتنع وقوع اجماعھم علی ضلال ویوجب ان ما یحصل علیہ اجماعھم ھو حکم اللہ تعالیٰ۔ [1]

اس آیت میں امت کے اجماع کی صحت پر دلالت موجود ہے چند وجوہ سے ایک تو یہ کہ فرمایا گیا "تم بہترین امت ہو" اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس صفت مدح کے وہی مستحق ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین وحق کے ساتھ قائم ہوں گمراہ نہ ہوں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ امر بالمعروف کرتے ہیں ان باتوں میں جن کا انہیں حکم دیا گیا پس وہ گویا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کیونکہ معروف ہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمان منکر کا انکار کرتے ہیں اور منکر وہ کہلاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا اور اس صفت کے وہی مستحق ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں اور اس کے احکامات کی پابندی کریں پس اس سے ثابت ہوا کہ جس کو امت منکر کہے وہ منکر ہے اور جس کا حکم دے وہ معروف ہے یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس میں یہ بھی آ گیا کہ ان کا اجماع ضلالت وگمراہی پر ممنوع وناممکن ہے اور لازم ٹھہرا کہ جس پر ان کا اجماع حاصل ہو جائے وہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

اس آیت سے اجماع پر حجت قائم کرتے ہوئے الخضری[2] نے اور الآمدی نے بھی گفتگو کی من شاء فلیراجع۔

(۴)۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ [3]

اور دیکھو سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔

استدلال کیسے ہوگا؟

ووجه الاحتجاج بها انه تعالیٰ نهی عن التفرق ومخالفة الاجماع

تفرق فکان منهیا عنه ولا معنی لکون الاجماع حجة سوی النهی

عن مخالفته۔ [۷۸]

اللہ تعالیٰ نے تفرق وانتشار سے روکا اور ظاہر ہے کہ اجماع کی مخالفت تفرق ہے بس وہ ایسی چیز ہوگی جس سے منع کیا گیا اور اجماع کا اس سے سوا کوئی معنی نہیں کہ اس کی مخالفت سے روکا گیا ہے۔

القرطبی لکھتے ہیں۔

وفیها دلیل علی صحة الاجماع حسبما هو مذکور فی موضعه من

اصول الفقه واللہ اعلم۔ [۷۹]

اس آیت میں اجماع کی صحت پر دلیل ہے جیسا کہ یہ بات اپنی جگہ اصول فقہ میں مذکور ہے الجصاص الحنفی نے احکام القرآن میں لکھا۔

وقد حکم اللہ تعالیٰ بصحة اجماعهم وثبوت حجته فی مواضع

کثیرة من کتابه۔ [۸۰]

یعنی اللہ نے اپنی کتاب میں بہت سے مقامات پر اجماع کی صحت اور اس کے حجت ہونے کا ثبوت پیش کیا (جن میں سے ایک آیت یہ ہے)

الصاوی لکھتے ہیں:

ای فدوموا علی الاجتماع ولا یکن منکم تفرقة۔ [۸۱]

اجماع پر مداومت اختیار کرو آپس میں تفرقہ اختیار نہ کرو۔

ان کے علاوہ الخضری [۸۲] نے اور الآمدی نے بھی اس آیت کو دلیل اجماع قرار دیا ہے۔

(۵) یا ایها الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ

والیوم الاخر ذالك خیر واحسن تاویلا۔ [۸۳]

مسلمانو اللہ کی اطاعت کرو۔ اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں حکم اور اختیار رکھتے ہوں، پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملے میں باہم جھگڑ پڑو (یعنی اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے) تو چاہیئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو (اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اسے تسلیم کر لو) اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو (تو تمہارے لیے راہ عمل یہی ہے) اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے۔

اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ "تنازع" کو شرط قرار دیا گیا جب کہ ایسا ہو تو کتاب و سنت کیطرف لوٹانا لازم ہے اور ظاہر ہے کہ مشروط معدوم ہو جاتا ہے جب کہ شرط نہ ہو اور یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب "تنازع" نہ ہو تو حکم پر اتفاق کافی ہے۔ (کافی عن الکتاب والسنۃ) اور اجماع کے حجت ہونے کا اس کے سوا کوئی معنی نہیں ۵۰ (کہ اختلاف نہ ہو اور متفقہ فیصلہ اور امر ہو)

الخضری نے اور رشید رضا مصری نے اپنے اپنے مقام پر اس پر بحث کی ہے۔ بلکہ سید رشید رضا مصری نے اپنے استاذ الشیخ محمد عبدہٗ کے حوالے سے اس ٹکڑے سے اجماع کے ساتھ قیاس کے اثبات پر بھی دلیل قائم کی من شاء فلیراجع

نیز احکام القرآن للجصاص کا یہ مقام بھی قابل مطالعہ ہے ۵۱

یہ پانچ آیات ایسی ہیں جن سے متعلق متعدد مفسرین و فقہاء کی رائے ہے کہ وہ اجماع کے لیے حجت ہیں جب کہ بعض اور بھی آیات ہیں جن کے متعلق علماء نے اس قسم کی رائے ظاہر کی لیکن ہم انہیں خوف طوالت سے چھوڑ رہے ہیں۔ تفصیل کے طالب حضرات الخضری۔ اور الآمدی کا مطالعہ کریں۔

(۷) ایک لطیف بحث۔

سورہ نساء کی محولہ بالا آیت میں لفظ "اولی الامر" کا ترجمہ ہم نے مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل کیا انہوں نے اس کا ترجمہ "ارباب حکم و اختیار" کیا مولانا احمد سعید دہلوی نے اپنے ترجمہ میں "صاحب حکم" لکھا ۵۲

"التفسیر الواضح" میں ہے۔

وهم اهل الحل والعقد فی الامة ای السلطة الشریعیة فی البلد وهی تتکون من الحکام والولاة والنواب والشیوخ والعلماء والزعماء اطیعوهم متی اجمعوا علی امر من الامور بشرط ان یکونوا ادوا الامانة واقاموا العدالة واطاعوا الله ورسوله تنفیذ دستور القران عند ذالك تجب طاعتهم علی الناس وهذا هو المسمّٰی بالاجماع فی علم الاصول ـــ ویوخذ من الآیة الکریمة ان اصول التشریع فی الدین اربعة۔

۱- الکتاب و هو القران الکریم فقد قال الله یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله۔

۲- السنة وهی ما اتت عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قولا او فعلا او تقریرا فقد قال الله : اطیعوا الرسول۔

۳- الاجماع وهو اجماع اهل الحل والعقد من الامة اذا اتبعوا الله ورسوله۔

۴- القیاس وهو عرض المسائل المتنازع فیها علی القواعد العامة فی الکتاب والسنة وذالك قوله : فان تنازعتم فی شی فردوه الی الله والرسول ۔؁ه

یعنی "اولو الامر" سے مراد امت کے اہل حل وعقد ہیں یعنی قانونی حکمران جو شہر میں ہوں حکام ولاۃ، نواب، شیوخ، علماء، زعماء سب اس میں شامل ہیں مسلمان ان کی اطاعت کریں ان پر لازم ہے جب کہ وہ کسی امر پر جمع ہو جائیں بشرطیکہ امانت ادا کریں اور عدالت قائم کریں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ یہ اطاعت دستور قرآن کی تنفیذ کے ذریعہ ایسے وقت میں ان کی اطاعت لوگوں پر واجب ہوگی۔ اور اسی کو علم اصول فقہ میں اجماع کا نام دیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ سے دین کی تشریع کے چار اصول سامنے آئے ہیں ـــ الکتاب یعنی قرآن

کریم - جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے - اطیعوا اللہ ــــ السنۃ یعنی وہ چیز جو نبی کریم علیہ السلام سے قولاً، فعلاً یا تقریراً ثابت ہو چنانچہ ارشاد ہے اطیعوا الرسول اجماع یعنی امت کے اہل حل وعقد کا اجماع جب کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کریں - القیاس متنازعہ مسائل کا حل کتاب وسنت کے مسلمہ اصول وقواعد کے مطابق محمود حمزہ، حسن علوان اور ربراق کہتے ہیں -

اولوالامر اصحاب الامر وهم الولاة والحكام ــ ويندرج فى الاخير (اولى الامر) الخلفاء والسلاطين والقضاة والائمة والامراء والرؤساء والزعماء واهل الحل والعقد من المؤمنين ــ فمتى اصدر اولوالامر امرا ليس فيه معصية للخالق بعد ان يتشاوروا ويتفقوا عليه وجب اتباعه - [۹۲]

وقال على بن طلحة عن ابن عباس واولى الامر منكم يعنى اهل الفقه والدين وكذا قال مجاهد وعطاء والحسن البصرى وابوالعالية ــ يعنى العلماء والظاهر والله اعلم انها عامة فى كل اولى الامر من الامراء والعلماء كما تقدم - [۹۳]

قرطبی میں ہے - جمہور کے مطابق اولی الامر سے مراد امراء ہیں - جابر بن عبداللہ اور مجاہد کے بقول اس سے اہل القرآن والعلم مراد ہیں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار کیا اور ضحاک کے بقول فقہاء اور علماء دین مراد ہیں مجاہد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے اصحاب محمدی مراد ہیں عکرمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد محض حضرت ابوبکر وعمر ہیں ابن کیسان کہتے ہیں کہ اس سے اہل العقل والرائے مراد ہیں جو لوگوں کے معاملات کی تدبیر کرتے ہیں - قرطبی کی ذاتی رائے ہے کہ ان اقوال میں سے پہلا اور دوسرا صحیح تر ہیں پہلا تو واضح ہے دوسرا جس میں علماء کو مراد لیا گیا وہ اس لیے کہ اس میں آگے چل کر تنازعہ کی شکل میں معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول یعنی کتاب وسنت کی طرف لوٹانے کا ذکر ہے: وليس لغير العلماء معرفة كيفية الرد الى الكتاب والسنة اور ظاہر ہے کہ علماء ہی ہیں جو اس کیفیت سے

صحیح طور پر واقف ہوتے ہیں ان کے سوا کوئی واقف نہیں ہوتا و یدل ھذا علی صحۃ کون سوال العلماء واجبا و امتثال فتواھم لازما اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علماء سے سوال کرنا واجب اور ان کے فتوی پر عمل کرنا اور اس کو ماننا لازم ہے اور سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب تک لوگ حکمران اور علماء کی قدر و منزلت کا خیال رکھیں گے تو انہیں خیر حاصل رہے گی جب ان دونوں طبقوں کی تعظیم بجالائیں گے تو اللہ ان کی دنیا اور آخرت کو صحیح رکھیں گے اور جب ان کا استخفاف کریں گے تو ان کی دنیا بھی برباد ہو جائے گی آخرت بھی۔ بعض لوگوں (شیعہ) نے اس سے مراد حضرت علی اور ائمہ معصومین کو لیا و ھذا قول مھجور مخالف لما علیہ الجمھور لیکن یہ مردود قول ہے جمہور نے اس کو ترک کر دیا ہے ۵۸

الصابونی کہتے ہیں۔

واطیعوا الحکام اذا کانوا مسلمین متمسکین بشرع اللہ اذ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق و فی قولہ (تعالیٰ منکم) دلیل علی ان الحکام الذین تجب طاعتھم یجب ان یکونوا مسلمین حسا و معنی لحما و دما لا ان یکونوا مسلمین صورۃ و شکلا۔ ۵۹

حکمرانوں کی اطاعت کرو جب کہ وہ مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کی موجودگی میں مخلوق کی اطاعت درست نہیں، "منکم" کا قرآنی اشارہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حکام جن کی اطاعت لازم ہے ان کا حسی اور معنوی طور پر اور ظاہری و باطنی طور پر مسلمان ہونا لازم ہے نہ یہ کہ وہ محض صورت و شکل کے اعتبار سے مسلمان ہوں۔

الجصاص الحنفی کہتے ہیں۔

کہ جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ اس سے مراد "اولوا الفقہ والعلم" ہیں حسن اور عطاء اور مجاہد کا بھی قول یہی

ہے عبداللہ بن عباس سے دوسری روایت جس میں حضرت ابو ہریرہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں یہ ہے کہ اس سے سرایا کے امراء مراد ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے بھی امراء مراد ہوں اس لیے کہ اسم امر توسب کو شامل ہے جیوش کے امراء، دشمنوں کے ساتھ لڑنے والے ہیں تو علماء شریعت کی حفاظت کرنے والے ہیں علماء کے متعلق قرآن میں ہی ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کہ اہل علم سے سوال کیا کرو جب تمہیں علم نہ ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک اس خطاب کے مصداق وہ لوگ ہیں جو تنفیذ احکام کی طاقت رکھتے ہیں یعنی امراء وقضاۃ۔ [۹۶]

زمخشری کہتے ہیں۔

والمراد باولی الامر منکم امراء الحق لان امراء الجور اللہ ورسولہ بریئان منھم فلا یعطفون علی اللہ ورسولہ فی وجوب الطاعۃ لھم — وقیل ھم العلماء الذین یامرونھم بالمعروف وینھونھم عن المنکر۔ [۹۷]

اس سے مراد عادل اور اہل حق امراء ہیں ظالم امراء نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان سے بری ہیں پس ان کا عطف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے وجوب پر ممکن نہیں — ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد علماء دین ہیں وہ لوگوں کو امر بالمعروف کرتے ہیں اور انہیں برائی سے روکتے ہیں۔

حاشیۃ الصاوی علی الجلالین میں ہے۔

یدخل فیہ الخلفاء الراشدون والائمۃ المجتھدون والقضاۃ والحکام۔ [۹۸]

سید رشید رضا مصری نے بھی دونوں اقوال نقل کیے یعنی امراء وعلماء [۹۹]، پھر شیعہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ائمہ معصومین ہیں: وھذا امر دود اذ لا دلیل علی ھذہ العصمۃ ولو ارید ذلک لصرحت بہ الآیۃ۔ اور اولی الامر سے اصولی طور پر وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے حالات کی اصلاح اور ان کے مصالح کی فکر کرنے والے ہوں [۹۹]

اور بخاری شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کہ اس سے مراد امراء سرایا ہیں (سرایا جمع سریہ وہ جنگی مہم جس کی قیادت حضور اکرم علیہ السلام نے کسی صحابی کے سپرد کی ہو۔

اس ضمنی بحث کا مقصد یہ تھا کہ معلوم ہوسکے کہ اجماع کے سلسلہ میں جو پانچویں آیت آئی اور اس میں جو لفظ "اولی الامر" آیا ہے اس میں توسع ہے اور اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مصالح امت اور اس کی اصلاح کے لیے ساعی اور فکر مند ہوں نہ کہ محض امراء۔

آمدی نے اس مسلک (یعنی اجماع کا قرآنی آیات سے ثابت کرنا) کے سلسلہ میں لکھا۔

واعلم ان التمسك بهذه الايات' وان كانت مفيدة للظن فغير مفيدة للقطع ومن زعم ان المسالة قطعية فاحتجاجه فيها بامر ظنى غير مفيد للمطلوب وانما يصح ذالك على راى من يزعم انها اجتهادية ظنية -انتهى

جس کا مفاد یہ ہے کہ ان آیات سے تمسک اور استدلال ظن کو مفید ہے یقین کو نہیں۔

اور یہی بات امام غزالی نے لکھی کہ۔

فهذه كلها ظواهر لا تنص على الغرض بل لا تدل ايضا دلالة الظواهر -انتهى

ایک سوال اور اس کا جواب۔

جو قرآنی آیات اجماع کے حجت ہونے کے سلسلہ میں بطور دلیل نقل ہوئیں ان میں واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا "بھی ہے اس میں" تفرقہ "سے روکا گیا ہے اس اس پر بعض حضرات سوال کرتے ہیں کہ فقہ کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن میں فقہاء کا اختلاف ہے لہٰذا وہ اس آیت کی رو سے ناجائز ہونا چاہیئے۔ لیکن واضح رہنا چاہیئے کہ فقہاء کے اختلافات ایسے نہیں جو قرآن و سنت کے کسی صریح اور قطعی حکم سے متعلق ہوں یہ اختلاف فروعی نوعیت کے ہیں اور ایسے ہیں کہ ان سے کوئی اصول دین متاثر نہیں ہوتا۔ غالباً رسول کریم علیہ السلام نے اسی قسم کے اختلافات کو "رحمت" سے تشبیہ دی۔ اس قسم کے اختلاف خیر القرون

کے دور میں بھی تھے اور ان کی وجہ سے کبھی کسی نے کسی کے خلاف کوئی ہنگامہ نہیں کیا۔ احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور ایک مسلمان کے لیے اس میں کئی طرح کی حکمتیں ہیں۔ قرآن عزیز پھوٹ ڈالنے اور تفرقہ ڈالنے سے روکتا، اس سے منع کرتا اور اس کو فساد سے تعبیر کرتا ہے۔ ایسی شکل میں وہ اہل فساد سے تعلق توڑ کر "صادقین" کی رفاقت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ [۱۰۳]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

حتیٰ کہ بعض علماء نے اس آیت کو بھی اجماع کے لیے دلیل و حجت قرار دیا۔ اور پھر سوال کیا کہ "الصادقین" کون ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا کہ آیت البر [۱۰۴] میں الصادقین کی صفات تفصیل سے بیان ہوئیں چنانچہ اس آیت کا ترجمہ ہے۔

نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کی کر لی، نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر آخرت کے دن پر فرشتوں پر آسمانی کتابوں اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں خدا کی محبت کی راہ میں اپنے رشتے داروں، یتیموں مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اپنی بات کے سچے ہوتے ہیں جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے رہتے ہیں تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی راہ میں ثابت قدم) ہوتے ہیں تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے (الصادقین) اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں [۱۰۵]

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

کہ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا وجود ہر زمانہ میں باقی رہے گا ورنہ ان کے ساتھ رہنے کا حکم ہر زمانہ کے مسلمانوں کو نہ دیا جاتا کیونکہ اسلام

نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا جس پر عمل کرنا اس کی قدرت سے باہر ہو۔ تو جب یہ ثابت ہوا کہ
"الصادقین" ہر زمانہ میں موجود رہیں گے تو خود بخود یہ بھی ثابت ہو گیا کسی زمانہ
کے سب مسلمان کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ اگر کچھ لوگ غلط کام
کرنے بھی لگیں گے تو "الصادقین" روک دیں گے۱۰۷

البتہ جو دوسرا رخ ہے یعنی تمسک بالسنۃ اس کو مسلک اقوی قرار دیا گیا۔
اس سلسلہ میں سب سے پہلے وہ مشہور روایت آتی ہے۔

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔

الخضری اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں،

وهو من حيث اللفظ اقوى وادل على المقصود ولكن ليس بالمتواتر
كالكتاب والكتاب متواترا ليس بنص فطريق تقرير الدليل
ان يقال تظاهرت الرواية عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
بالفاظ مختلفة مع اتفاق المعنى في عصمة هذه الامة من الخطاء
واشتهر ذالك على لسان الثقات من اصحابه كعمر وابن
مسعود وابى سعيد الخدري وانس بن مالك وابن عمرو ابى
هريرة وحذيفة بن اليمان وغيرهم من نحو قوله" لا
تجتمع امتى على الضلالة لم يكن الله ليجمع امتى على الضلالة،
سالت الله الا يجمع امتى على الضلالة فاعطانيها ـ من سره
ان يكن الجنة فيلزم الجماعة فان دعوتهم تحيط من
ورائهم ـ ان الشيطان مع الواحد ومن الاثنين ابعد ـ يد الله مع الجماعة
ولا يبالى الله بشذوذ من شذ ـ لا تزال طائفة من امتى على الحق ظاهرين لا يضرهم
من خالفهم" وروى لا يضرهم خلاف من خالفهم الا ما اصابهم من بلاء،
من خرج عن الجماعة اوفارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام
من عنقه ـ من فارق الجماعة ومات فميتته جاهلية ـ ۱۰۸

یعنی یہ حدیث اور دلیل لفظ کے اعتبار سے قوی اور مقصود پر زیادہ بہتر دلالت کرنے والی ہے لیکن ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی طرح متواتر نہیں اور کتاب اللہ متواتر ہے لیکن اس میں حجت قطعی نہیں (کماھر) پس بات اس طرح بنے گی کہ اس طرح کہا جائے کہ حضور علیہ السلام سے بہت سی روایات ثابت ہیں جن کے الفاظ مختلف ہیں لیکن ان کا معنی ایک سا ہے جس میں خطاء سے (اس امت کی عصمت کا ذکر ہے اور یہ بات آپ کے صحابہ میں سے ذمہ دار شخصیات کی زبان پر بھی مشہور تھی جیسے حضرت عمر حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابو سعید الخدری حضرت انس بن مالک حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس قسم کے الفاظ منقول ہیں کہ آپ نے فرمایا "میری امت ضلالت وگمراہی پر اکٹھی نہ ہوگی"۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریگا کہ میری امت ضلالت پر جمع ہو۔ میں نے اپنے رب سے اس کا سوال کیا کہ میری امت ضلالت پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول کر لی ۔ جو شخص اس بات سے خوشی چاہتا ہے کہ جنت میں سکونت اختیار کرے تو وہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہے اس لیے کہ ان کی دعائیں ان کی آراء کو احاطہ میں لے لیتی ہیں ۔ شیطان ایک شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو شخصوں سے دور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور جس شخص نے علیحدگی کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی علیحدگی کی کوئی پرواہ نہیں۔ میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا انہیں لوگوں کی مخالفت کوئی نقصان نہ پہنچائے گی الا یہ کہ جو انہیں آزمائش سے پہنچے۔ جو جماعت سے نکلا یا جماعت سے الگ ہوا اور یہ علیحدگی چاہے معمولی درجہ کی ہو یعنی بالشت بھر، تو اس نے اسلام کا قلادہ اپنے گلے سے نکال پھینکا۔ جو جماعت سے الگ ہوا اور مر گیا وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔

اس کے ساتھ ہی الخضری وغیرہ نے لکھا کہ یہ روایات جن کا ذکر ہوا یہ صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے ادوار میں بھی معروف و مشہور رہیں اسلاف امت میں جو اہل نقل ہیں ان میں سے کسی نے بھی ان کو رد نہیں کیا۔

اسلاف کی طرح اخلاف نے بھی رد نہیں کیا بلکہ یہ ہمیشہ مقبول رہیں اور امت ہمیشہ اصول دین اور فروعات دین میں ان سے سند و حجت پکڑتی رہی ۔ اور جو حضرات ان روایات

سے حجت پکڑتے ہیں اور ان سے اس کو ثابت کرتے ہیں وہ اجماع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول جو متواتر ہو کی بنیاد پر ہو۔

والخلاصة ان الامة الاسلامية فى عصور مختلفة قررت ان الاجماع حجة قاطعة حتى كان فقهاء كل عصر ينكرون اشد الانكار على من خالف راى مجتهدى السلف والعادة تقتضى ان مثل هذا الاتفاق لا يكون عن مجرد ظنون بل لا بد ان يكون عندهم دليل مقطوع به وهذا يدل على ان الاخبار النبوية التى سقناها كانت عندهم مقطوعا بها حتى لم تكن فى نظرهم مجالا للظن والاختلاف ۔ ۱۰۹

خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ نے مختلف زمانوں میں اس کا فیصلہ کیا کہ اجماع ایک حجت قطعی ہے حتیٰ کہ ہر دور کے فقہاء نے اس شخص پر شدید تنکیر کی جو اسلاف میں مجتہدین کی رائے کا انکار کرے اور عادۃً یہی کہ یہ بات محض ان کے ظن و تخمین کے سبب نہیں بلکہ لازم ہے کہ ان کے پاس دلائل ہوں اور مضبوط یہاں تک کہ ان کی نظر میں ظن و اختلاف کی قطعاً گنجائش نہیں ۱۱۰

ان احادیث سے استدلال کیسے ہو گا اس پر گفتگو کرتے ہوئے "موسوعہ" کے مرتبین نے کہا۔

حضور علیہ السلام نے اس امت کی بڑی شان و عظمت بیان کی۔ اور اس بات کی خبر دی کہ بہ حیثیت مجموعی یہ امت خطاء سے محفوظ رہے گی۔ اس لیے اس سے علم ضروری منطقی طور پر حاصل ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے "علم اضطراری" نہیں علم استدلال کا دعویٰ کیا گیا ہے اس میں پھر دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ یہ احادیث صحابہ و تابعین کے ادوار سے لے کر اب تک معروف و مشہور ہیں اور ان سے متعلق کسی کا انکار اب تک ثابت نہیں دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو حضرات اس سے استدلال کرتے ہیں انہوں نے اس سے اجماع کو ثابت کیا جس کا علم کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے ذریعہ

دیا گیا ہے[۱۱۰]

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان روایات کا تواتر معنوی ثابت کیا ہے اور اس سے امت کی عصمت عن الخطاء پر استدلال کیا ہے[۱۱۱] اسی طرح صاحب مسلم الثبوت نے ان کو تواتر معنوی ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں اثباتاً جماعت کے لزوم کا حکم ہے تو نفیاً جماعت سے علیحدگی پر شدید وعید ہے[۱۱۲]

دور حاضر کے ایک فاضل نے اپنے مطالعہ کا حاصل پیش کرتے ہوئے ۲۲ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی روایات کو جمع کیا ہے جس سے بلاشبہ "تواتر" کی بات پوری ہو جاتی ہے اس فہرست میں خلفاء اربعہ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ارقم، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابوذر غفاری، حضرت جابر بن عبداللہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت ابوالدرداء، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ رضی تعالیٰ عنہم جیسے صحابہ کرام شامل ہیں۔ ان میں بعض حضرات ایسے ہیں جن کی اس موضوع پر کئی روایات ہیں[۱۱۳]

اور "التقریر" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد ان میں سے ہر روایت کے راویوں کی تعداد برابر بڑھتی چلی گئی، گو کہ الفاظ میں قدرے اختلاف ہے لیکن سب احادیث کا مشترک مفہوم "تواتر" کی واضح نشاندہی کرتا ہے۔

ایک اہم روایت وہ ہے جسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا۔ حضرت علی نے پوچھا ایسا معاملہ سامنے آجائے جس میں قرآن وسنت میں حکم نہ ہو تو کیا کروں؟

فرمایا: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصة[۱۱۴]

یعنی ایسے معاملہ میں فقہاء اور عابدین سے مشورہ کر لو کسی شخص کی شخصی رائے نافذ نہ کرو۔

اسی ضمن میں محدثین وعلماء نے اس روایت کو لیا جس میں حضور علیہ السلام نے "امت میں قیامت تک حق کے لیے برسرپیکار رہنے والی ایک جماعت کا ذکر کیا[۱۱۵]

اس روایت کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے ساتھ

الفاظ کے تھوڑے سے بہت اختلاف کے ساتھ حضرت مغیرہ، حضرت ثوبان ؓ حضرت عمر فاروق حضرت جابر بن سمرہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو امامہ اور حضرت مرۃ البہزی رضی اللہ تعالیٰ عنہم آٹھ صحابی شامل ہیں ؓ

اسی ضمن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت آتی ہے جو آپ نے اس طرح نقل کی کہ حضور علیہ السلام نے خطبہ میں فرمایا:

اس امت کی حالت قیامت تک سیدھی اور درست رہے گی ؓ

پھر امت کے ضلالت پر مجتمع نہ ہونے اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہونے نیز شذوذ کی شکل میں جہنم کی وعید کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل ہوئی ان کے ساتھ سات دوسرے صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت انس، حضرت ابو مالک اشعری حضرت ابو ہریرہ حضرت قدامہ بن عبداللہ اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس روایت میں شامل ہیں ؓ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں جماعت صحابہ تابعین تبع تابعین کی پیروی کے بعد فرمایا کہ اس کے بعد نازک حالات ہوں گے جھوٹ پھیل جائے گا تم لوگ "الجماعۃ" سے وابستہ رہنا اور فرمایا کہ ہمیں اسی طرح حضور علیہ السلام نے خطبہ دیا تھا۔ اس روایت میں بھی حضرت عمر کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبداللہ بن عمر حضرت حذیفہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں ؓ

خطبہ حجۃ الوداع جو "ادب نبوی" کا شاہکار ہے اس میں "لزوم جماعت" کا حکم موجود ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت زید بن ثابت حضرت نعمان بن بشیر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو الدرداء، حضرت معاذ بن جبل حضرت جابر اور حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا ؓ

سولہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت نقل کی۔

من فارق الجماعة شبرا فمات فميتته جاهلية ـــ فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه ـــ دخل النار ـ فلا حجة له ـــ

فلا تسئل عنہم — فاقتلوہ — فاضربوا عنقہ کائنا من کان — فان الشیطان مع فارق الجماعۃ یرکض (ایڑ لگاتا ہے) — اقتلوا الفذ (علیحدگی اختیار کرنے والا) من کان من الناس — واما ترک السنۃ فالخروج من الجماعۃ — التارک لدینہ المفارق للجماعۃ

یہ مختلف الفاظ ہیں جو اس ضمن میں آئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا مفہوم واضح ہے، ان کے راویوں میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عثمان، حضرت عائشہ، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عرفجہ، حضرت عثمان، حضرت اسامہ بن شریک، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت فضالہ بن عبید حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں ۱۲۲ھ

ایک روایت میں اختلاف کی شکل میں "السواد الاعظم" کی اتباع کا حکم ہے اس کے راوی حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں ۱۲۳ھ

یہ تمام روایات بڑے واضح طور پر "اجماع" کی "حجیت" ثابت کرتی ہیں ان میں "الجماعۃ" اور "السواد الاعظم" کے دو لفظ آئے ہیں ان کا مفہوم کیا ہے؟ واضح ہو کہ عربی میں "السواد الاعظم" سے مراد عظیم ترین جماعت ہے ۱۲۴ھ اور یہاں مراد وہ جماعت ہے جو نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہو۔ حضرت ابوالدرداء، حضرت انس حضرت ابوامامہ اور حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم علیہ السلام سے پوچھا۔ سواد اعظم سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے یہی جواب دیا جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہو۔

ادھر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو روایت ہے جس میں بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقوں میں اور امت محمدیہ کے ۷۳ فرقوں میں بٹ جانے کا ذکر ہے اس میں ایک ہی ناجی فرقہ کے متعلق سوال ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ما انا علیہ واصحابی۔

پھر یہ کہ یہ روایت بھی تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ حضرت معاویہ، حضرت عوف بن مالک، حضرت انس، حضرت عمرو بن عوف اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول

۔ ۔ ۱۲۵ھ ا ، ، ا ا ا ت امر " السواد الاعظم "الاسلام وجماعتہم" اور "الجماعۃ" ملکہ

الفاظ آئے مفہوم سب کا ایک ہے یعنی ما انا علیہ واصحابی۔

(۹)

ان روایات واحادیث کے ساتھ کچھ آثار بھی ہیں جن سے "اجماع" کی حجیت ثابت ہوتی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وماراٰہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح۔ ۱۲۶

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدالتی فیصلوں کے سلسلہ میں قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو دستاویز لکھی اس میں فرمایا:

کتب عمر الی شریح ان اقض بما فی کتاب اللہ فان اتاک امر لیس فی کتاب اللہ فاقض بما سنّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان اتاک امر لیس فی کتاب اللہ ولم یسنّہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانظر الذی اجتمع علیہ الناس فان جاءک امر لم یتکلم فیہ احد فای الامرین شئت فخذبہ ان شئت فتقدم وان شئت فتاخر ولا اری التاخر الاخیرا لک۔ ۱۲۷

ترجمہ: تم قرآن کے مطابق فیصلے کرو اگر ایسا معاملہ ہو جس کے متعلق کتاب اللہ میں حکم نہ ہو تو سنت رسول کے مطابق فیصلہ کرو اگر ایسا معاملہ ہو جس کے متعلق نہ کتاب اللہ میں حکم ہو نہ سنت رسول اللہ میں تو پھر اس چیز کو دیکھو جس پر لوگ جمع ہیں اور اگر ایسا مقدمہ آجائے جس کے متعلق کسی نے کوئی بات نہ کہی ہو تو دونوں صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرو چاہو تو آگے بڑھ جاؤ (قیاس کرلو) چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ (اہل علم سے پوچھ لو) میں تمہارے لیے پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر خیال کرتا ہوں۔

الخطیب نے اسی موقعہ پر حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرو، الجماعت کے ساتھ رہو کہ امت محمد علیہ السلام گمراہی پر جمع نہیں ہو

سکتی قرآن وسنت اور آثار صحابہ کرام سے اتنے دلائل موجود ہیں اسی لیے تو شاطبیؒ لکھتے ہیں۔

وکل من خالف الاجماع فهو مخطئ وامة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم لا تجتمع علی ضلالة فما کانوا علیه من فعل او ترک فهو السنة والامر المعتبر وهو الهدی [۲۸]

اور الخضری نے بعض اصولیین سے اجماع قطعی کے منکر کو کافر نقل کیا "انکار حکم الاجماع القطعی کفر" [۲۹]

معروف دوالیبی نے اجماع کی قوت کو "کالکتاب والسنة" لکھا اور ساتھ ہی مشہور مستشرق (GOLDZIHER) کے حوالے سے نقل کیا کہ،

ان هذا الاصل — اجماع — قد احتوی علی ینبوع القوة التی تجعل الاسلام یتحرک ویتطور بکل حریة لان هذا الاصل هو الذی یقدم العلاج الناجع تجاه خطر سنته السلطة [۳۰]

جناب احمد حسن اپنی معروف کتاب۔

THE DOCTRINE OF IJMA' IN ISLAM

میں لکھتے ہیں:

قرآن مسلمانوں کو بار بار ایک امت (گروہ) کے نام سے پکارتا ہے یہ نام یعنی امت اپنی تعریف کے لحاظ سے اتحاد، ربط اور استحکام پر دلالت کرتا ہے۔ نہ صرف بیرونی تنظیم کے لحاظ سے بلکہ نظریاتی سطح پر بھی! اس نظام تسمیہ سے قرآن کا مقصود محض متحد گروہ نہیں جو بیرونی طور پر متحد اور اندرونی طور پر ٹوٹا پھوٹا، بکھرا ہوا ہو۔ یہ مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ متحد رہیں اور فرقہ بندی اور جھگڑوں سے دور رہیں۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کی ہجرت کے بعد سیاسی نظم کے لیے ایک وسیع جماعت کا اہتمام کیا جس میں یہود بھی شامل تھے یہ وسیع جماعت مختصر عرصہ ہی آخر کار غیر مسلم اس جماعت سے خارج کر دیئے گے۔ اب اسلامی جماعت کے استحکام کا انحصار کچھ اصولوں پر ہے جنہیں وسیع طور پر قانون، عقائد، عبادات، میں بانٹا جاسکتا ہے

رسمی اداروں نے گروہ کو ایک بیرونی شکل دی ۱۳۱ھ
- جماعت سے سختی کے ساتھ وابستگی کے تصور نے قوم کو متفقہ فیصلوں کی قطعیت کے تصور کو ابھارا مندرجہ ذیل حدیث سے اسے تقویت ملتی ہے "یعنی میری امت ایک غلطی پر جمع نہ ہوگی، جہاں تمہیں اختلاف نظر آئے تو تمہیں اکثریت کی اتباع کرنی چاہیے" یہ حدیث اجماع کے اصول کی بنیاد مہیا کرتی ہے ۱۳۲ھ
- اجماع کے منکر کو اصولاً بدعتی پکارا گیا ۱۳۳ھ
- اجماع سے قبل سنت جماعت کو متحد رکھنے والی طاقت تھی گو پہلی اور دوسری صدی کے اسلامی ادب میں یہ اصطلاح بار بار غیر فنی یا نیم فنی مفہوم میں استعمال ہوئی۔ اس میں اختیار کی وہ قوت نہیں جو سنت کی اصطلاح میں ہے۔ اندازاً دوسری صدی ہجری کے وسط میں سنت اور اجماع ایک دوسرے سے اتنے قریب تھے کہ یہ دونوں اصطلاحات ایک ایک دوسرے کے لیے مستعمل رہیں ۱۳۴ھ

جماعت کے ربط کے سیاق میں جماعت کا تصور پہلی بار پہلی صدی ہجری میں ظہور پذیر ہوا۔ ۴۱ھ میں جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصالحت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو اس سال کو "عام الجماعت" (اتحاد کا سال) کہا گیا اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ دوہری خلافت ختم کر دی گئی اور حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور کا جھگڑا ختم ہو گیا۔ "عام الجماعۃ" کی اصطلاح یہ بتاتی ہے کہ جماعت ان مہلک جنگوں سے بالکل متنفر تھی اور اسے اندرونی اور بیرونی استحکام کی ضرورت تھی ۱۳۵ھ

یہ حوالہ جات اسلام میں اجماع کی اہمیت اور اس کے منکر کے شریعت میں مقام کو واضح کرتے ہیں، اس لیے ہم نے انہیں ذکر کر دیا (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۱۰)

اجماع کن لوگوں کا معتبر ہوگا؟ اس سلسلہ میں چند مسالک سامنے آتے ہیں۔

اصولی اور بنیادی بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اجماع مسلمانوں کا معتبر ہے اور مسلمانوں میں بھی عاقل و بالغ حضرات کا۔ کسی بچہ، مجنون کا اعتبار نہیں اور یہ بات بھی طے ہے کہ اجماع کے لیے

یہ ضروری نہیں کہ عہد صحابہ سے لے کر قیامت تک کے مسلمان کسی مسئلہ پر متفق ہوں، اگر یہ بات اجماع کے لیے شرط قرار دے دی جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ قیامت سے پہلے کسی مسئلہ پر اجماع منعقد نہ ہو سکے، اس لیے شرط یہی ہے کہ "فی عصر من العصور" امام ابن حزم کہتے ہیں۔

فان الاجماع قاعدة من قواعد الملة الحنفية يرجع اليه ويفزع نحوه ويكفر من خالفه اذا قامت عليه الحجة بانه اجماع۔ [۱۳۶]

تو دین اسلام کے ایک ایسے اہم قاعدہ کے متعلق اس قسم کی شرط نہایت درجہ غلط ہے اور کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ "موسوعہ" میں ہے۔

المراد باهل الاجماع من يعتبر اجماعهم اذا اتفقوا على امر من الامور في عصر من الاعصار ويعتد بمخالفتهم اذا خالفوا فلا ينعقد الاجماع مع مخالفتهم۔ [۱۳۷]

اجماع کے اہل وہ ہیں جن کا اجماع معتبر ہو جبکہ وہ کسی امر پر متفق ہو جائیں کسی زمانہ میں اور جب ان کی مخالفت ہوگی تو ان کا اجماع منعقد نہ ہوگا۔

امام غزالی نے اس کا اہل امۃ محمدیہ کو قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا اطلاق سبھی امت محمدیہ پر ہوتا ہے لیکن بقول غزالی اس میں ہر پہلو کے دو اطراف ہیں ——— اس پر گفتگو کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

اثبات میں ہر مجتہد جو مقبول الفتوی ہو۔ پس یہ اہل حل و عقد ہوں گے ان کی موافقت ضروری ہے نفی میں مجانین اور بچے ہیں جن کا ذکر گذر چکا [۱۳۸]

عبدالعزیز البخاری رحمہ اللہ تعالی نے غزالی کا تتبع کرتے ہوئے مزید لکھا۔

ان أهلية الاجماع انما تثبت بصفة الاجتهاد والاستقامة في الدين عملاً واعتقاداً لان النصوص التي جعلت الاجماع حجة تدل على اشتراط ذالك۔ [۱۳۹]

یعنی "الاجماع" ان کا منعقد و ثابت ہوگا جن میں صفت اجتہاد و ثابت قدمی عملاً و اعتقاداً موجود ہو اس لیے کہ جو نصوص اجماع کے لیے حجت ہیں وہ بطور شرط اس پر دلالت کرتی ہیں۔

غزالی فرماتے ہیں۔

لا یعتبر قول العوام لقصور آلتھم۔[۱۴۰]

عوام کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ جو چیزیں "الاجماع" کے لیے شرط ہیں ان کی ان میں کمی ہوتی ہے۔

امام مالک قدس سرہ صرف اہل مدینہ کے اجماع کو معتبر مانتے ہیں جب کہ بعض حضرات نے اس قول کی امام کی طرف نسبت کو مشکوک قرار دیا اور ہمارے خیال میں یہی بات صحیح ہے اس سلسلہ میں "صاحب التقریر" نے تفصیلی گفتگو کی ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ امام مالک کی طرف اس موقف کی نسبت صحیح نہیں بلکہ وہ بھی اسی طرح "عصر فی العصور" کے قائل ہیں۔[۱۴۰]

زیدیہ اور امامیہ کا معاملہ ایسا ہے کہ وہ محض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اجماع کا اہل مانتے ہیں اور کسی کو نہیں۔ اس سے قبل تعریفات کے ضمن میں اس کا ذکر ہو چکا۔ [۱۴۱]

بعض حضرات کے نزدیک محض صحابہ کرام کا اجماع معتبر ہے وھو قول الظاھریۃ فقط

بعض لوگوں کے نزدیک ہر زمانہ کے افراد کا اجماع اس وقت معتبر ہوگا جب اس میں عالم، جاہل، چھوٹے بڑے سب شامل ہوں، "صاحب التقریر کی رائے کے مطابق باقلانی اور آمدی کا رجحان اسی طرف ہے اس فرق کے ساتھ کہ باقلانی اسے اجماع مانیں گے "اجماع امت" نہیں کیونکہ ان کے نزدیک عام مسلمان بھی امت کا حصہ ہے لیکن آمدی سرے سے مانتے ہی نہیں۔[۱۴۲]

جمہور کا اس سلسلہ میں جو مسلک ہے وہ نہایت درجہ معتدل اور امت کے مجموعی مذاق و روح اسلام کے عین مطابق ہے وہ یہ کہ اجماع صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں کسی بھی زمانہ کے متبع سنت فقہا و مجتہدین کا کسی حکم پر متفق ہو جانا اجماع کے لیے کافی ہے۔ عوام، اہل بدعت یا فاسق کی مخالفت و موافقت کا مطلق اعتبار نہیں۔ قرآن عزیز کی دو آیات اس ضمن میں قابل غور ہیں۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔[۱۴۳]

"اہل ذکر" سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔

قرآن عزیز کی مختلف آیات کے حوالہ سے "اہل الذکر" کا معنی اہل علم بنتا ہے تفصیل کے لیے دیکھیں (القرطبی: ص ۲۷۲، ج ۱۱)

دوسری سورہ حجرات کی آیت ۶ ہے جس میں ہے "اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی خوب تحقیق کر لو الخ۔

اس سے علماء نے استدلال کیا کہ جس طرح پہلی آیت میں اہل علم سے پوچھنا اور ان کی اتباع لازم ہے اسی طرح "فاسق" سے اجتناب لازم ہے کشف الاسرار میں حنفیہ کا مؤقف یہ لکھا گیا ہے۔

اجماع کی اہلیت کرامت و بزرگی سے متعلق ہے اور یہ اس لیے کہ "المجتہد" میں خواہشات اور فسق نہیں ہوتا فسق تہمت کا سبب بنتا ہے اور عدالت کو ساقط کر دیتا ہے اسی طرح اس سے انسان شہادت کے قابل نہیں ہوتا۔ اور خواہشات کا پجاری جب لوگوں کو اس طرف دعوت دیتا ہے تو بھی اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور خواہشات کا پجاری جو اس میں شہرت رکھتا ہو وہ علی الاطلاق اس سے خارج ہے۔

جہاں تک صحابہ کرام کے اجماع کا تعلق ہے اس میں تو بہر حال کسی کا اختلاف نہیں وہ ایک حتمی اور قطعی حقیقت ہے اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے فقہاء و علماء کے ساتھ ساتھ اباضیہ تک قائل ہیں احناف کا قول ہے۔

وقد نقل عن ابی حنیفة رحمه الله اذا اجمعت الصحابة علی شی سلمنا۔[۱۴۴]

فاسق، مبتدع اور ایسے افراد کا اعتبار نہیں، یہ دعویٰ ہم نے کیا اس سلسلہ میں ایک دلیل تو قرآن عزیز کے حوالہ سے گزر چکی دوسرے حضور علیہ السلام کا حضرت علیؓ کو ارشاد کہ جب انہوں نے پوچھا کہ جس معاملہ میں قرآن و سنت میں دلیل نہ ہو تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

شاوروا فیه الفقهاء والعابدین۔

فقہاء اور عابدین سے مشورہ کر لو۔ (حوالہ گزر چکا)

پھر وہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے جو اس سے پہلے گذری جس میں ارشاد ہے کہ

میری امت میں ایک طبقہ اور جماعت حق پر قائم رہے گی: الخ
اسی طرح یہ ارشاد نبوت کہ اس امت کا معاملہ قیامت تک درست رہے گا چوتھے وہ روایت جس میں ہے۔

لا تجتمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ۔

دوسری روایات میں "کل بدعۃ ضلالۃ" ہے جس کا معنی صاف ہے کہ ہر بدعت ضلالت ہے اس میں بقول حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ "حسنہ اور سیئہ" کی کوئی تقسیم نہیں کیونکہ جو بھی بدعت اس میں "حسن" کہاں سے آگیا؟ اس لیے اجماع وہی معتبر ہوگا جس کے افراد اہل علم اور متبع سنت ہوں ورنہ تو دین کا حلیہ بگڑ جائے گا غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز نے واضح کر دیا کہ خبیث و طیب برابر نہیں اگرچہ خبیثوں کی کثرت باعث حیرت ہو[۱۴۵] اسی طرح جابجا قرآن عزیز میں اس تصور اکثریت کو رگید اگیا اور اس کو نہایت درجہ غلط بتلایا گیا۔ جس سے ثابت کرنا یہ مقصود ہے کہ دین کے معاملات میں فاسق، بدعتی اور اس قسم کے افراد کا اعتبار نہ ہوگا جب کہ معاملہ مصالح امت کا ہو۔

ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آیا اکثریت کا اجماع جب کہ اقلیت مخالف ہو معتبر ہے؟
موسوعہ میں ہے۔

ذهب الاكثرون الى انه لا ينعقد۔[۱۴۶]

آمدی اسی کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

والمختار مذهب الاكثرين۔[۱۴۷]

پھر انہوں نے اس پر دلائل قائم کیے۔

ادھر امام غزالی فرماتے ہیں۔

هذا الرأی هو الذی اختاره جمهور علماء المذهب وساروا فی کتبهم علی ترجیحه۔[۱۴۸]

ایک جماعت اس کو منعقد مانتی ہے جن میں محمد بن جریر الطبری، ابوبکر الرازی، الخیاط

امام احمد بن حنبل (ایک روایت) شامل ہیں ان حضرات کے نزدیک امت کا اطلاق اہل عصر پر صحیح ہے اور ایک دو آدمیوں کے شذوذ کا اعتبار نہیں "جب کہ شذوذ پر حدیث میں سختی بھی آئی ہے مثلاً ارشاد ہے" ایاکم و الشذوذ "یا ارشاد ہے

الشیطان مع الواحد وھو عن الاثنین ابعد۔

ابن حاجب مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں -

ان قول الاکثر یکون حجۃ ولا یکون اجماعا قطعیا۔[149]

اس میں شک نہیں کہ اہل عصر کا مکمل اتفاق بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن بہرطور ایسا بھی نہیں کہ ایک دو یا چند آدمیوں کے اختلاف سے "اجماع" کا اعتبار نہ ہو اس لیے ہمارا خیال ہے کہ اس کی بڑی اہمیت ہے اور اس سے صرف نظر ممکن نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

اور جہاں تک عوام، اہل بدعت اور فساق کا تعلق ہے وہ تو بہرحال طے شدہ ہے کہ ان کے اختلاف کا اعتبار نہ اتفاق کا اعتبار۔ اس لیے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور حضرات احناف کثر اللہ تعالے سوادھم کا بھی یہی مسلک و موقف ہے۔[150]

(ii)

علماء نے اجماع کے سلسلہ میں جو شرائط لکھی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) سب سے پہلے "انقراض العصر" آتا ہے اس سلسلہ میں حضرات حنابلہ اور بعض اہل ظواہر کا کہنا یہ ہے کہ اجماع تب معتبر ہوگا جب ایک عصر گذر جائے اور اجماع کرنے والے سب مر جائیں کیونکہ موت سے قبل ممکن ہے کہ کوئی انہیں سے رجوع کرلے۔ اس احتمال کے سبب یہ شرط ضروری ہے۔ لیکن جمہور ائمہ اس کو شرط نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں۔

اذا اتفقت الامۃ ولو فی لحظۃ — ای اتفق المجتھدون فیھا — انعقد الاجماع وتقررت عصمتھم عن الخطاء ووجب اتباعھم۔[151]

دوسری شرط ہے "بلوغ المجمعین حد التواتر" اور تواتر کی تعریف یہ ہے -

ھو تتابع الخبر عن جماعۃ بحیث یفید العلم فی تحقق معناہ وما بہ یکون۔[152]

ایک خبر کا تتابع ایک جماعت سے اس طرح کہ وہ معنی اور جو اس میں حکم ہے اس کی تحقیق میں علم کا فائدہ دے۔

اس کو عقلاً دلیل اس طرح مانا جاتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو پھر کہا جائے گا کہ امت کا جم غفیر خطا پر اکٹھا نہیں ہو سکتا لیکن جمہور اس کو شرط نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ جب مجتہدین کسی زمانہ میں کسی حکم پر متفق ہو جائیں تو یہی اجماع ہے قطع نظر اس کے کہ وہ اصطلاحی تواتر تک پہنچتا ہے یا نہیں۔

ایک شرط یہ ہے جس کو جمہور ذکر کرتے ہیں کہ

ان الاجماع لا بد له من مستند لان اهل الاجماع ليس لهم الاستقلال باثبات الاحكام فوجب ان يكون عن مستند — والقائلون بانه لا ينعقد الاجماع الا عن مستند قد اتفقوا على صحة الاجماع وثبوت حجيته اذا كان المستند دليلا قاطعاً۔[۱۵۳]

یعنی اجماع کے لیے ضروری ہے کہ اس کے لیے "مستند" ہو (المستند ما يستند اليه، المنجد، صفحہ ۱۵۲) کیونکہ اہل الاجماع کے اثبات احکام کو استقلال حاصل نہ ہوگا پس مستند لازم ہے۔ الخ

ایک شرط ہے عدم مخالفة الاجماع لنص في الكتاب والسنة۔ اس سلسلہ میں ابن حزم کا قول قابل قدر ہے۔

"اجماع تین حال سے خالی نہیں یا تو ایسی چیز میں ہوگا جس میں کوئی نص نہیں یہ باطل ہے یا اجماع ایسی چیز پر ہوگا جو خلاف نص ہو اور نص بھی ایسی جو منسوخ نہ ہو یا جس میں کوئی تخصیص نہ ہو یہ محض کفر ہے یا لوگوں کا اجماع نص کی بنیاد پر ہوگا، اسی کے متعلق یہاں گفتگو مقصود ہے"[۱۵۴]

غزالی فرماتے ہیں۔

وكون الاجماع لا يقع على خلاف النص هو قد رمسلم به عند الجمهور[۱۵۵]

ایک شرط بعض علماء نے یہ لگائی کہ "عدم سبق اجماع مخالف" ماضی کے اجماع کی مخالفت نہ ہو جبکہ بعض حضرات اسکو شرط نہیں اور بعض اس کو شرط کہتے ہیں لیکن "فی حال دون حال"

جمہور کا کہنا ہے:

لا یجوز ان یاتی اجماع قوم علی خلاف اجماع من سبقھم لان الاجماع الاول قد ثبت وصار حجۃ فلا یجوز الخروج علیہ بل یکون ضلالا۔

ترجمہ: یعنی یہ درست نہیں کہ ایک طبقہ سابقہ اجماع کے خلاف اجماع کرے کیونکہ پہلا اجماع ثابت ہو چکا اور حجت بن گیا اس لیے اب اس سے خروج درست نہ ہوگا بلکہ یہ گمراہی ہوگی۔

بعض کتب اصول میں جو بحث آتی ہے کہ "نسخ الاجماع بالاجماع" وہ اسی سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں "المقدسی الحنبلی" کی بات کو بہت پسند کیا گیا کہ

فاما الاجماع فلا ینسخ ولا ینسخ بہ — وحاصلہ انہ لا یمکن ان ینسخ الاجماع باجماع آخر، لان الاجماع الثانی ان کان لا عن دلیل فھو خطاء وان کان عن دلیل فذالك یستلزم ان یکون الاجماع الاول خطاء والاجماع لا یکون خطاء[۱۵۶]

ایک شرط یہ ہے کہ آیا ایک ہی دور کے مجتہدین ایک مسئلہ میں اختلاف کے بعد اتفاق کر سکتے ہیں؟ کریں گے تو اس کا اعتبار ہوگا؟ ارباب موسوعہ نے لکھا۔

فمنھم من جوزہ واعتبرہ اجماعا بعد الخلاف وقال انہ یحسن ان یکون وذالك ھو رأی جمہور اھل المذاھب علیہ اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ والمالکیۃ والحنابلہ حتی الزیدیۃ وابن حزم الظاھری۔[۱۵۷] گویا ان سب نے اسے جائز قرار دیا۔

جب مجتہدین کے کسی مسئلہ میں دو یا اس سے زائد قول پہلے ہی ہوں تو کیا بعد والے ایک نیا قول کر سکتے ہیں اور نئی رائے کا انہیں حق ہوگا؟ اسی طرح اگر مجتہدین نے کسی مسئلہ میں تفصیل بیان نہیں کی تو کیا بعد والے تفصیل بیان کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ جب کسی مسئلہ میں دو طبقوں کا اختلاف ہو جائے اور ان میں سے ایک مر جائے تو کیا باقی حضرات کا اتفاق اجماع وحجت شمار ہوگا؟ پھر یہ

کہ کسی مسئلہ میں کچھ حضرات کے اختلاف کا علم نہ ہونا اجماع پر کیا اثر ڈالتا ہے؟ اور جو اجماع "بطریق الاحاد" منقول ہو وہ حجت ہے یا نہیں؟ یہ سب مسائل اجماع کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں لیکن ایک مقالہ اس تفصیل کا متحمل نہیں اس سلسلہ میں حکومت مصر کی وساطت سے فقہ و اصول کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) "موسوعۃ الفقہ الاسلامی امام غزالی کی المستصفیٰ اور مسلم الثبوت" ملاحظہ فرمائیں' ان کتابوں میں ان موضوعات پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے خاص طور پر موسوعہ کا مطالعہ فائدہ مند ہوگا ۱۵۸ھ

(۱۲)

ایک اہم مسئلہ اجماع کی اقسام کا ہے، چنانچہ علماء نے بنیادی طور پر اجماع کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

اجماع قولی، اجماع عملی، اجماع سکوتی ۱۵۹ھ

ان میں سے پہلی قسم کی مختصر تعریف یہ ہے کہ کسی ایک زمانہ کے لوگ جو اجماع کی اہلیت رکھتے ہوں، اپنے زمانہ میں اپنے قول سے کسی دینی معاملہ پر اتفاق ظاہر کریں جیسے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر سب حضرات نے اتفاق کرلیا۔ اجماع عملی کی تعریف یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے حضرات کسی زمانہ میں کوئی عمل کریں جب ایسا ہوگا تو اس عمل کو بالاجماع جائز سمجھا جائے گا۔ ہاں یہ ذہن میں رہے کہ اس سے اُس فعل کا مباح' مستحب یا مسنون ہونا ثابت ہوگا واجب نہیں الا بقرینۃ اس کی مثال "صاحب تسہیل" نے ظہر کی ابتدائی چار سنتوں سے دی جن کا سنت مؤکدہ ہونا صحابہ کرام کے عملی اجماع سے ثابت ہے اور اجماع سکوتی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے حضرات میں سے کچھ حضرات کوئی متفقہ فیصلہ زبانی یا عملی طور پر اس طرح کریں جس سے اس زمانہ میں اس کی خوب شہرت ہو جائے یہاں تک کہ اس دور کے باقی مجتہدین کو اس کی خبر ہو جائے مگر وہ غور و فکر اور اظہار رائے کا موقعہ ملنے کے باوجود سکوت اختیار کریں اور ان میں سے کوئی بھی اس فیصلہ سے اختلاف نہ کرے گویا کچھ حضرات کے سکوت کے سبب اس کو سکوتی قرار دیا گیا۔

ان تین اقسام میں سے پہلی دو کے حجت ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے البتہ اجماع سکوتی کے سلسلہ میں اختلاف ہے، امام اہل سنت امام احمد بن حنبل، اکثر احناف اور بعض شوافع کے نزدیک یہ حجت قطعیہ ہے جب کہ خود امام شافعیؒ اکثر شوافع اور اکثر مالکیہ سرے سے حجت نہیں اور بعض فقہاء اسے حجت مانتے ہیں لیکن ظنی[۱۶۰]

الخلاف نے دو قسمیں بنائیں یعنی الصریح، السکوتی وہ اس طرح کہ انہوں نے عملی وقولی کو ایک ہی قسم میں شمار کیا، لکھتے ہیں

وهو ان يتفق مجتهدو العصر على حكم واقعة بابداء كل منهم رايه صراحة بفتوى او قضاء اى ان كل مجتهد يصدر منه قول او فعل يعبر صراحة عن رايه -[۱۶۱]

گویا بات وہی ہے صرف اجمال وتفصیل کا فرق ہے انہوں نے اسے الصریح کا نام دے کر دو شقیں بنا دیں - اس سے متصل ہی وہ لکھتے ہیں

فهو الاجماع الحقيقى وهو حجة شرعية فى مذهب الجمهور واما النوع الثانى (السكوتى) فهو اجماع اعتبارى لان الساكت لا جزم بانه موافق فلا جزم بتحقق الاتفاق وانعقاد الاجماع و لهذا اختلف فى حجتيه - الخ

ترجمہ: یعنی دوسری قسم اعتباری ہے جنہوں نے اس کے معاملہ میں سکوت اختیار کیا ضروری نہیں کہ وہ موافق ہوں اس لیے اتفاق واجماع کا تحقق وانعقاد یقینی ہے لہٰذا اس کی حجیت میں اختلاف ہے آگے انہوں نے وہی تفصیل بیان کی کہ کوئی اسے مانتا ہے کوئی نہیں جو اوپر گذری۔

ابوزہرہ فرماتے ہیں۔

الاجماع الصريح وهو الذى اتفق جمهور الفقهاء على حجتيه وهو ان يصرح كل واحد من المجتهدين بقبول ذالك الراى المنعقد عليه ـــــ وهذا النوع من الاجماع حجة قطعية

باتفاق فقہاء الجمہور۔

والمرتبۃ الثانیۃ الاجماع السکوتی لم یعتبر الشافعی الاجماع السکوتی حجۃ۔ ۱۶۱

علماء و فقہا نے (اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الاجماع کے تین مراتب بیان کیے۔ اس کے مطابق سب سے قوی درجہ کا وہ اجماع ہے جو تمام صحابہ کرام سے عملاً یا لساناً ثابت ہو اس کے حجت قطعیہ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے کیونکہ جو لوگ اہل مدینہ یا عترۃ رسول کے اجماع کی بات کہتے ہیں، ان کے حساب سے بھی یہ معتبر ہو گا۔ کیونکہ اہل مدینہ اور عترۃ صحابہ کی صف میں شامل ہے۔

دوسرا درجہ صحابہ کے دور کے اجماع سکوتی کا ہے احناف کی اکثریت اس کو بھی حجت مانتی ہے جیسا کہ گذرا لیکن ائمہ کرام میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالی اسے تسلیم نہیں کرتے۔

تیسرے درجہ کا اجماع وہ ہے جو صحابہ کرام کے بعد کسی زمانہ میں کسی مسئلہ کے سلسلہ میں ہوا یہ تیسری قسم جمہور کے نزدیک بھی حجت قطعیہ کی قسم کا نہیں سنت مشہورہ کی قسم کا ہے اور اس کی بہر طور ایک اہمیت ہے کہ امت کا بہ حیثیت مجموعی عصمت کی صفت سے متصف ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے" ۱۶۲

یہ تھی بقدر ضرورت "الاجماع" اور اس سے متعلق مسائل کی مختصر بحث، جس کو بڑی احتیاط کے ساتھ اصل ماخذ سے مرتب کیا گیا۔ اس میں ہم نے مثالوں سے مکمل گریز کیا کیونکہ اس سے مقالہ بہت بوجھل ہو جاتا۔

ایک ضروری سوال

حرف آخر کے طور پر ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آج کے دور میں اجماع کی کوئی شکل ممکن ہے یا نہیں؟۔

جہاں تک شریعت اسلامیہ میں اس کے "دلیل" ہونے کا تعلق ہے وہ تو پہلی تفصیلا

واضح ہو گیا کہ یہ بلا شبہ ایک دلیل ہے اور جب دلیل ہے تو اس کا وجود بھی لازم ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ ایک ابدی حقیقت ہے جسے صبح قیامت تک باقی رہنا ہے جب اس کا وجود قیامت تک رہے گا تو اس کی ادلہ بھی رہیں گی لیکن سوال یہ ہے کہ اب اس کی واقعی شکل کیا ہو؟ آئندہ سطور میں اسی کے جواب کی سعی کی گئی ہے۔ اس وقت دنیائے اسلام نہایت درجہ کش مکش کا شکار ہے، اس کی اجتماعیت کا جو حقیقی نقشہ ہونا چاہیئے وہ مفقود ہے پچاس کے لگ بھگ ملک ایسے ہیں جو خالص مسلمان ملک کہلاتے ہیں۔ ان کی بھرپور اور اکثریتی آبادی مسلمان ہے، ان کے حکمران مسلمان ہیں جیسے سعودی عرب پاکستان مصر، سوڈان، مراکش، موریطانیہ، عراق، اردن، کویت، الجزائر، انڈونیشیا، ملایشیا، افغانستان ترکی، متحدہ عرب امارات، نائیجریا وغیرہ ذالک۔ ان میں بعض ایسے ہیں جن میں کسی نہ کسی درجہ میں بعض اسلامی اصول عملاً نافذ ہیں تو بعض میں بعض چیزوں کے نفاذ کی کوشش ہو رہی ہے وغیرہ ذالک۔

لیکن بعض ملک ایسے ہیں جن کا مزاج سیکولر ہے جن کے حکمران مسلمان نہیں لیکن ان میں مسلمانوں کی آبادی معقول تعداد میں موجود ہے جیسے روس اور ہندوستان اس کی دو واضح مثالیں ہیں اور پھر چین اور یورپ کے بہت سے ممالک اسی شمار میں آتے ہیں کہ وہاں مسلمان کافی تعداد میں موجود ہیں گو بہت سے ممالک کا ہندوستان کی طرح مزاج سیکولر نہیں۔

اور ایسا تو کوئی ملک نہیں جس میں کسی نہ کسی درجہ میں مسلمان موجود نہ ہوں۔ یہ امت اور قوم جسے آخری کتاب کے حامل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ہر جگہ موجود ہے کم یا زیادہ۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، اجتماعیت کی شکل مفقود ہے اور یہ بات بہرطور افسوسناک ہے، اور یہ بھی ہے کہ مستقبل قریب میں اس کا امکان بھی نظر نہیں آتا تاہم مایوسی بھی نہیں۔

لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

ان ساری چیزوں کے باوصف یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم دنیا میں اس وقت دو ادارے ایسے ہیں جن میں کسی نہ کسی درجہ میں "اجتماعیت" کا رنگ جھلکتا ہے اور کیا عجب کہ یہی ادارے کسی بت اس وحقیقی وفاق" کا سبب بن جائیں جو اسلام کا مطلوب ہے ان دو اداروں سے ہماری مراد ایک تو "رابطہ عالم اسلامی" ہے دوسرا "اسلامی سیکرٹریٹ" ان عمر اور خدمت کے اعتبار سے

رابطہ عالم اسلامی بہرطور مقدم ہے تاہم اسلامی سیکرٹریٹ کی مختصر عمر کی خدمات بھی لائق ستائش ہیں مزاج کے اعتبار سے رابطہ کا ادارہ علمی، تبلیغی اور ثقافتی ہے جو اسلامی روایات، اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کے لیے داعیانہ اور مبلغانہ انداز سے سرگرم عمل ہے اس کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے، ہم بعض برخود غلط عناصر کی طرح اس کی نفی کرنے کی بالکل پوزیشن میں نہیں بلکہ ہم دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس کی خدمات کے معترف ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور عرض کرتے ہیں کہ اس کا دائرہ اثر و عمل وسیع ضرور کیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ کہیں زیادہ خدمات لی جاسکتی ہیں بشرطیکہ طبائع بالخصوص کرتا دھرتا حضرات میں وسعت قلبی اور زیادہ ہو جائے اور وہ مخصوص تناظر میں دیکھنے کے بجائے اسلام کے عالمگیر اور آفاقی اصولوں کے مطابق دیکھنے کے عادی ہو جائیں رہ گیا سیکرٹریٹ کا معاملہ تو وہ مختصر لفظوں میں سیاسی نوعیت کا ادارہ ہے جس کا مقصد ہمارے ناقص خیال میں سیاسی میدان میں ملت مسلمہ کی اجتماعیت اور ربط وضبط کا اہتمام ہے۔ ہم اس ادارے کے بھی قدردان ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ "مجلس اقوام" کی جگہ لینے کے قابل ہو جائے اور دنیا کی مظلوم و ستم رسیدہ قومیں اس کو اپنے لیے ملجا و ماوی سمجھنے لگیں۔

یہ مقاصد اور خواہشات تو جب پوری ہونگی ہونگی اسوقت مسئلہ ہے "اجماع" کی عملی شکل کا، تو ہمارے خیال میں ایک تجویز کی حد تک ایسا ممکن ہے کہ "رابطہ عالم اسلامی" اس کا اہتمام و انصرام کرنے کی بہتر پوزیشن میں ہے۔ یہ ادارہ اپنے دینی تبلیغی اور علمی مزاج کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ امت مسلمہ کو جدید درپیش چیلنج کا حل پیش کرنے کی غرض سے اسلام کے اصولی دلائل کا سہارا لے کر گاڑی کو چلائے تاکہ امت کا قافلہ رواں دواں رہ سکے۔

عملاً ایسا ہو سکتا ہے کہ اس وقت جو مختلف ذیلی اور ضمنی ادارے کام کر رہے ہیں وہ اپنی جگہ کرتے رہیں اور ان سے الگ ایک ادارہ خاص اس مقصد کے لیے بنایا جائے جس میں ہر مسلم ملک کے پانچ پانچ اہل نظر، فقیہ النفس اور صاحب بصیرت و اجتہاد علماء شامل کیے جائیں۔ اسی طرح جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومت تو نہیں لیکن وہاں مسلمان معقول تعداد میں موجود ہیں

وہاں سے بھی اسی تناسب سے ایسی ہی صفات کے حامل علماء وفقہاء کو اس ادارہ میں شامل کیا جائے اور جن ممالک میں مسلمان تھوڑی تعداد میں ہیں انہیں بھی احساس کمتری سے بچانے کی غرض سے شریکِ محفل کیا جائے تاکہ ان کا یہ احساس قائم رہے کہ وہ اس عالمگیر امت کا حصہ ہیں، ان کی تعداد ضروری نہیں کہ پانچ ہی ہو کم بھی ہو سکتی ہے جس طرح کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ملک سے پانچ ہی حضرات ہوں مشورہ کے بعد زائد بھی لیے جا سکتے ہیں۔

اس وقت رابطہ کے تحت ہماری معلومات کے مطابق فقہی مسائل کی تدوینِ نو کی غرض سے ایک ادارہ موجود ہے جس میں غالباً چوٹی کے سات علماء موجود ہیں جن میں پاکستان کے دو علماء مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی اور مولانا محمد تقی عثمانی بھی شامل ہیں، اس ادارے نے اب تک کیا کام کیا، اس سے تو ان سطور کا راقم واقف نہیں لیکن اس کام کی افادیت کا اسے اعتراف ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ ادارہ زیادہ مؤثر ومفید کام سر انجام دے اور اس کے ذریعہ فقہی اختلافات کا دائرہ عمل کم ہو سکے۔ لیکن ضرورت ہے "اجماع" کی غرض سے ایک ایسے ادارے کی جس میں ہر ملک کے وسیع العلم، وسیع المشرب، مجتہدانہ بصیرت کے حامل اور صاحب نظر علما زیادہ تعداد میں ہوں اور وہ مسائل پر غور وخوض کر کے "اجماع امت" کی ضرورت کو پورا کریں تاکہ بنیادی "ادلہ اربعہ" میں سے ایک اہم دلیل عملاً سامنے آسکے ——— رہ گئی یہ بات کہ بعض لوگ سرے سے رابطہ ہی کی نفی کرتے ہیں اور وہ اس ذیلی ادارہ پر بھی ناک منہ چڑھائیں گے تو اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے آخر دنیا میں کس دور میں ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے امت کی اجتماعی رائے سے انحراف نہیں کیا؛ ایسے لوگ جو "شرذمۃ قلیلۃ" کہلانے کے مستحق ہیں، ان کی ژاژ خائی کا کوئی نقصان نہ ہو گا اور اس عملی اقدام پر امت کا لگ بھگ ایک ارب انسان رابطہ اور اس ذیلی ادارہ کا ممنون ہو گا اور اس کے فیصلوں کو وہ خوشی سے قبول کرے گا۔

اجماع کے تسلسل کی غرض سے ایک ناقص سی تجویز ذہن میں آئی جسے ملک کی ایک ذمہ دار علمی شخصیت کی تائید وتوثیق بھی حاصل ہے لیکن اگر یہ تجویز صحیح نہیں تو اہل نظر کو آگے بڑھ کر عملی تجویز کی فکر کرنی چاہیئے۔

حواشی

۱؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، صفحہ ۲۰ ۴ جلد ۱۵ دانش گاہ پنجاب لاہور مطبوعہ ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء
۲؎ نور الانوار، صفحہ ۴ مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کراچی۔
۳؎ ابوالعینین بدران، اصول الفقہ، صفحہ ۳۱ قاہرہ ۱۹۶۵ء۔
مزید: "المدخل" ڈاکٹر دوالیبی مطبوعہ دار العلم، صفحہ ۱۱ ۱۹۶۵ء۔
۴؎ قیاس یعنی المثیل بالمثیل (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، صفحہ ۴۲۱ جلد ۱۵۔
۵؎ الاصل فی لغۃ العرب ماتبنی علیہ غیرہ یعنی جس پر دوسری چیز کا دار ومدار ہو۔ (الجرجانی کتاب التعریفات، صفحہ ۲۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۲ء، اصول الفقہ بدران ابوالعینین صفحہ ۲۲۔
۶؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۴۲۱ ج ۱۵
۷؎ الشیخ محمد الخضری: اصول الفقہ ص ۵ مطبوعہ مصر ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء
الشیخ محمد ابوزہرہ: اصول الفقہ ص ۵ دار الفکر العربی قاہرہ ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء
عبد الوہاب خلاف: علم اصول الفقہ ص ۱۱ دار القلم کویت ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء
۸؎ ابوالعینین۔ اصول الفقہ ص ۱۴
۹؎ اجماع سکوتی کی تعریف آئندہ اپنے وقت پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔
۱۰؎ تفصیل کے لیے دیکھیں اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۴۲۳: ج ۱۵
۱۱؎ بدران۔ اصول الفقہ ص ۱۴
الخضری: اصول الفقہ ص ۷
خلاف: علم اصول الفقہ ص ۱۸
۱۲؎ بدران اصول الفقہ ص ۱۷-۱۸
۱۳؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۴۲۳ ج ۱۵۔
۱۴؎ مثلاً "موسوعۃ الفقہ الاسلامی" جمہوریہ عربیہ مصر کی مجلس اعلیٰ کا تحقیقی شاہکار ۱۶ جلد

الشیخ خضری کی اصول الفقہ، الشیخ ابو زہرہ کی "اصول الفقہ" عبدالوہاب الخلاف کی "علم اصول الفقہ" الجنازی کی "المغنی فی اصول الفقہ" (تحقیق ڈاکٹر مظہر بقا)

ابن اللحام کی المختصر فی اصول الفقہ (تحقیق ڈاکٹر مظہر بقا)

ڈاکٹر معروف دوالیبی کی المدخل۔ ڈاکٹر صبحی صالح کی فلسفہ شریعت اسلام اور ڈاکٹر احمد حسن کی اسلام میں اجماع کی اہمیت (انگریزی)

۵ المدخل الی علم اصول الفقہ ص ۵ مطبوعہ دارالعلم ۱۹۶۵ء

۶ المدخل ص ۶۹، ص ۸۰

۷ مصادر الفقہ الاسلامی ص ۹ مطبوعہ قاہرہ

۸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نور الانوار ص ۴-۵ المدخل ص ۱۲

المغنی فی اصول الفقہ ص ۱۸۳ مطبوعہ مکۃ المکرمہ ۱۴۰۳ھ

المختصر فی اصول الفقہ ص ۷۰ مطبوعہ دمشق ۱۴۰۰ھ

الخلاف ص ۲۱ الخضری ص ۲۲۸

اصول شرع اسلام ص ۲۳ از سر ڈنشا ار دو ترجمہ مولوی مسعود علی مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

۹ المختصر فی اصول الفقہ ص ۷۴، المدخل ص ۴۹

موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۱۵ ص ۵۰: ج ۳ مطبوعہ قاہرہ (موسوعہ میں اس کے متعلق لغوی بحث بڑی تفصیل سے کی گئی ہے) نور الانوار ص ۲۱۹

۵۲ اجتہاد کے سلسلہ میں دیکھیں۔

اردو دائرہ معارف اسلامی ص ۳۰۰ ج ۱ فکر اسلامی کی تشکیل جدید" مقالات جامعہ ملیہ دہلی سیمنار مطبوعہ دہلی۔ لاہور۔

موسوعۃ الفقہ الاسلامی ص ۵ تا ۱۲ ج ۳

تاریخ التشریع الاسلامی فصل ثامن مطبوعہ بیروت ۱۹۸۰ء

المختصر فی اصول الفقہ ص ۱۶۳۔ الخضری ص ۳۱۴

۵۲ اردو دائرہ معارف اسلامی ص ۱۰۰۹ ج ۱

۲۲ المدخل - دوالیبی: ص ۴۹

۲۳ الخلاف ص ۲۵

۲۴ نور الانوار ص ۲۱۹

۲۵ الشیخ ابوزہرہ ص ۱۸۹

۲۶ الخضری ص ۲۹۹

۲۷ المختصر ص ۴۷

۲۸ موسوعہ ص ۵۲-۵۱: ج ۳

۲۹ موسوعۃ ص ۵۲: ج ۳ الاحکام للآمدی ص ۲۸۱ ج ۱ مطبوعہ قاہرہ

۳۰ شرح النسفی علی المنار ص ۱۰۳ ج ۲ مطبع امیریہ قاہرہ ۱۳۱۶ھ

۳۱ ص ۹۴۷: ج ۳ من حاشیہ کشف الاسرار مطبوعہ استانبول ۱۳۰۸ھ

۳۲ بحوالہ موسوعہ ص ۵۴: ج ۳

۳۳ موسوعہ ص ۵۵: ج ۳؛ مزید دیکھیں نقد مراتب الاجماع" لابن تیمیہ ص ۲۰۳ سے آخر تک مطبوعہ بیروت ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء

۳۴ ہدایۃ العقول الی غایۃ الاصول ص ۴۹۰:

۳۵ حوالہ بالا۔

۳۶ موسوعۃ ص ۵۵ ج ۳

۳۷ المستصفیٰ ص ۱۷۳ ج ۱

۳۸ حوالہ بالا و موسوعہ ص ۵۶ ج ۳

۳۹ الاحکام للآمدی ص ۲۸۶ ج ۱

۴۰ ص ۲۱۳ ج ۲

۴۱ شیعہ حضرات کے عقائد وغیرہ پر تفصیلی لٹریچر موجود ہے جو حضرات تفصیل دیکھنا چاہیں وہ مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب " ایرانی انقلاب امام خمینی" مطبوعہ سنی پبلیکیشنز اردو بازار لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

۴۲ موسوعة ص ۶۴ : ج ۳

۴۳ المغنی ص ۲۷۳

۴۴ المختصر ص ۷۴

۴۵ الاحکام للآمدی ص ۲۰۰ : ج ۱

۴۶ اصول الفقہ : ص ۳۱۶

۴۷ موسوعة ص ۶۵ : ج ۳

۴۸ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ترجمان القرآن : ص ۵۳۱ : ج ۲ دہلی ۱۹۸۰ء

۴۹ موسوعہ ص ۶۵ : ج ۳ ۔ مسلم الثبوت وشرحہ ص ۲۱۴ : ج ۲

۵۰ المنار ص ۴۱۴ : ج ۵ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۹۳ھ

۵۱ القرطبی ص ۳۸۶ : ج ۵ بیروت احیاء التراث العربی ۱۹۶۵ء

۵۲ تفسیر القرآن الکریم ص ۸۴ : ج ۵ : دارالمعارف مصر

۵۳ ابن کثیر عربی ایڈیشن مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۵ : ص ج ۱

۵۴ ابوزہرہ : ص ۱۹۴

۵۵ الجنازی ۔ المغنی ص ۲۷۳

۵۶ الخلاف : ص ۷۴

۵۷ الخضری ص ۳۱۵

۵۸ الدوالیبی : ص ۵۰

۵۹ نورالانوار ص ۲۲۱

۶۰ مولانا ابوالکلام آزاد ۔ ترجمان القرآن : ص ۱۰۵ ج ۲

۶۱ ترجمہ مولانا احمد سعید دہلوی کشف الرحمان ص ۹۰۴ : دہلی ایڈیشن

۶۲ موسوعہ ص ۶۶ : ج ۳

۶۳ الصاوی علی الجلالین : ص ۲۶۴ ج ۱ بیروت

۶۴ صفوۃ التفاسیر ص ۸۶ : ج ۱ بیروت ۱۹۸۱ء

٦٥ احکام القرآن ص ۱۰۳ ج ۱ سہیل اکادمی لاہور

٦٦ المنار: ص ۴ : ج ۲

٦٧ القرطبی: ص ۱۵۴ : ج ۲

٦٨ الخضری: ص ۳۱۵

٦٩ معارف القرآن: ص ۳-۲-۷۳ ج ۱ مطبوعہ کراچی

٧٠ نورالانوار ص ۲۲۱

٧١ المظہری: ص ۱۳۹ : ج ۱ مطبوعہ حیدرآباد دکن

٧٢ القرآن: آل عمران: ۱۱۰ ترجمہ مولانا ابوالکلام) ص ۳۴۳ ج ۲

٧٣ تفصیل موسوعہ ص ۱۴۸ ج ۳

٧٤ احکام القرآن: ص ۳۵ : ج ۲

٧٥ الخضری: ص ۳۱۵

٧٦ الآمدی: ص ۱۰۹ : ج ۱

٧٧ آل عمران: ۱۰۳ ترجمہ مولانا ابوالکلام: ص ۳۳۹ : ج ۲

٧٨ آمدی: ص ۱۰-۳۰۹ : ج ۱

٧٩ القرطبی: ص ۱۰-۹-۳ ج ۱

٨٠ احکام القرآن: ص ۲۹ : ج ۲

٨١ العبادی: ص ۱۷۱ ج ۱

٨٢ الخضری: ص ۳۱۵

٨٣ آمدی: ص ۱۱۱ : ج ۱

٨٤ النساء: ۵۹: ترجمہ مولانا آزاد ترجمان القرآن: ص ۴۷۹ : ج ۲

٨٥ آمدی: ص ۳۱۱ - ج ۱

٨٦ الخضری: ص ۳۱۵ - ج ۱

٨٧ المنار: ص ۱۸۲ : ج ۵

۸۸؎ ص ۲۱۳ - ۲۱۰ : ج ۲

۸۹؎ کشف الرحمٰن : ص ۱۳۷

۹۰؎ التفسیر الواضح از محمد محمود الحجازی : ص ۳۰ : ج ۵ قاہرہ ۱۹۶۸ء

۹۱؎ نبی کریم علیہ السلام کے حضور کوئی بات ہوئی آپ نے اس کی تصویت کی یا خاموشی اختیار کی، اسے تقریر کہا جاتا ہے (تفصیل اصول حدیث کی کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۹۲؎ تفسیر القرآن الکریم : ص ۳۴ --- ۳۰ : ج ۱

۹۳؎ ابن کثیر : ص ۸ ۱ ۵ : ج ۱

۹۴؎ القرطبی : ص ۲۶۱ - ۲۵۹ : ج ۵

۹۵؎ صفوۃ التفاسیر : ص ۱۰۶ : ج ۵

۹۶؎ احکام القرآن : ص ۲۱۰ : ج ۲

۹۷؎ الکشاف : ص ۵۳۵ : ج ۱ : دارالمعرفۃ بیروت

۹۸؎ الصاوی : ص ۲۲۶ : ج ۱

۹۹؎ المنار : ص ۱۸۱ : ج ۱

۱۰۰؎ بخاری : ص ۱۸۰ : ج ۵ : المکتبۃ الاسلامی استنبول ۱۹۸۱ء

۱۰۱؎ الاحکام : ص ۲۱۲ : ج ۱

۱۰۲؎ المستصفی : ص ۱۷۵ : ج ۱

۱۰۳؎ موسوعہ : ص ۶۹ : ج ۳

۱۰۳؎ التوبہ آیت ۱۱۹

۱۰۴؎ سورۃ البقرہ آیت ۱۷۷

۱۰۵؎ مولانا ابوالکلام آزاد - ترجمان القرآن : ص ۱۳۲ - ۳۱

۱۰۶؎ تفسیر کبیر : ص ۱۳ ۵ : ج ۴

۱۰۷؎ موسوعہ : ص ۶۹ : ج ۳

۱۰۸؎ الخضری ص ۱۶ - ۳۱۵ وہکذا فی موسوعہ : ص ۹ ۶ : ج ۳

۱۰۹ الخضری: ص ۲۱۶

۱۱۰ احادیث کے سلسلہ میں مزید دیکھیں۔

الخلاف: ص ۴۷؛ المغنی: ص ۳۰۷

۱۱۱ موسوعہ ص ۷۰ - ۶۹: ج ۳

۱۱۲ المستصفی: ص ۷۶ - ۱۷۵: ج ۱

۱۱۳ بحوالہ موسوعہ ص ۷۰: ص ۳

۱۱۴ فقہ میں اجماع کا مقام: ص ۱۷ - ۱۶؛ کراچی ۱۹۶۵ء

۱۱۵ مجمع الزوائد: ص ۱۷۸: ج ۱

۱۱۶ مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسٰی: ص ۸۷: ج ۱

۱۱۷ بخاری کتاب الاعتصام، ابوداؤد کتاب الفتن اور مجمع الزوائد ص ۲۸۹ - ۲۸۷ امام بخاری اس جماعت سے مراد اہل علم کو لیتے ہیں۔

۱۱۸ بخاری کتاب الاعتصام ص ۱۴۹: ج ۸ مطبوعہ استنبول۔

۱۱۹ مستدرک حاکم کتاب العلم ص ۱۶ - ۱۱۵: ج ۱

ترمذی ابواب الفتن: ص ۴۹: ج ۲

ابن ماجہ ابواب الفتن: ص ۲۸۳

مسند احمد، ابوداؤد کتاب الفتن: ص ۵۸۴: ج ۲ الزوائد: ص ۱۷۷: ج ۲

مستدرک حاکم ص ۵۰۷

کتاب الفقہ خطیب ص ۱۶۲: ج ۵

مستدرک حاکم: ص ۵۰۷: ج ۴

فتح الباری: ص ۳۱: ج ۱۳

۱۲۰ ترمذی: ص ۴۹: ۴۸ ج ۲

مستدرک حاکم: ۱۱۵ - ۱۱۴: ج ۱

بخاری کتاب الفتن: ص ۹۳ - ۹۲: ج ۸

مسلم: ص ۱۲۷؛ ج ۲

مشکوٰۃ: ص ۳۱؛ ج ۱؛ کتاب العلم۔

۱۲۱ مشکوٰۃ کتاب العلم، مسند احمد: ص ۲۲۵؛ ج ۲، سنن ابن ماجہ ص ۲۱۹، مسند احمد ص ۱۸۵؛ ج ۵

مستدرک حاکم: ص ۸۸؛ ج ۱

۱۲۲ بخاری کتاب الفتن، ص ۸۷؛ ج ۸؛ ترمذی: ص ۲۰۳؛ ج ۱

نسائی: ص ۱۵۸؛ ج ۲؛ مسلم ص ۵۹؛ ج ۲؛ مستدرک ص ۱۱۸-۱۱۹؛ ج ۱

ابوداؤد: ص ۲۵۵؛ ج ۲؛ ترمذی: ص ۱۲۹؛ ج ۲

۱۲۳ ابن ماجہ ابواب الفتن: ص ۲۸۳

مستدرک کتاب العلم: ص ۱۱۵؛ ج ۱

۱۲۴ الصحاح للجوہری: ص ۸۹؛ ج ۱، بحوالہ فقہ میں اجماع کا مقام: ص ۳

۱۲۵ ترمذی ابواب الایمان - باب افتراق ہذہ الامۃ: ص ۱۰۴؛ ج ۲

مشکوٰۃ: ص ۳۰؛ ج ۱؛ ابن ماجہ باب افتراق الامم: ص ۲۸۷

مجمع الزوائد: ص ۲۵۸؛ ج ۷، ص ۲۶۰؛ ج ۷

۱۲۶ موطا امام محمد کتاب الصلاۃ باب قیام شہر رمضان: ص ۱۴۰

ومجمع الزوائد: ص ۱۷۷؛ بلکہ یہ ہے کہ موطا میں اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد

قرار دیا گیا۔

۱۲۷ کتاب الفقیہ للخطیب: ص ۱۶۶؛ ج ۵۔

۱۲۸ الموافقات للشاطبی: ص ۶۱؛ ج ۳ مطبع سلفیہ مصر ۱۳۴۱ھ

۱۲۹ الخضری: ص ۳۱۶

۱۳۰ دوالیبی، مدخل: ص ۵۱-۵۰

۱۳۱ ص ۱؛ مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۷۶ء

۱۳۲ ص ۹

۱۳۳ ص ۱۴

۱۳۳ ص ۱۴: مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۷۶ء

۱۳۴ ص ۵ ایضاً

۱۳۵ ص ۶ ایضاً

۱۳۶ مراتب الاجماع ۱۲: ص ۱۱: بیروت ۱۹۸۲ء

۱۳۷ موسوعہ: ص ۱۸: ج ۱

۱۳۸ المستصفیٰ: ص ۱۸۱: ج ۱

۱۳۹ حاشیہ علی کشف الاسرار: ص ۹۵۶: ج ۳

۱۴۰ التقریر: ص ۹۸: ج ۲

۱۴۱ مراتب الاجماع: ص ۱۵

۱۴۲ التقریر: ص ۸۰: ج ۲

۱۴۳ النحل ۴۳ - الانبیاء: ۷

۱۴۴ موسوعہ: ص ۸۸: ج ۳

۱۴۵ المائدہ آیت: ۱۰۰

۱۴۶ موسوعہ: ص ۹۶: ج ۳

۱۴۷ الاحکام: ص ۲۳۶: ج ۱

۱۴۸ المستصفیٰ: ص ۱۸۶: ج ۱

۱۴۹ تفصیل دیکھیں موسوعہ: ص ۹۷-۹۴ ج ۳ بحث تاسع اجماع الاکثر مع مخالفۃ الاقل -

۱۵۰ التقریر ۹۶-۹۵: ج ۳

۱۵۱ الاحکام للآمدی: ص ۲۶۵-۲۶۶: ج ۱

۱۵۲ موسوعہ: ص ۱۰۰ ج ۳

۱۵۳ موسوعہ: ص ۱۰۱-۱۰۰: ج ۳

۱۵۴ بحوالہ موسوعہ: ص ۱۰۲: ج ۳

۱۵۵ المستصفیٰ للغزالی: ص ۲۱۵: ج ۱

۱۵۶ھ موسوعہ: ص ۱۰۴: ج ۲

۱۵۷ھ موسوعہ: ص ۱۰۷: ج ۳

۱۵۸ھ موسوعہ: ص ۱۱-۸-۱۰ ج ۳ ۔ المستصفیٰ: ص ۱۹۵: ج ۱

شرح مسلم الثبوت: ص ۲۳۵: ج ۲

۱۵۹ھ تسہیل الوصول: ص ۱۷۳: ۱۶۸ کا خلاصہ

۱۶۰ھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں التقریر: ص ۱۰۲-۱۰۱: ج ۳

۱۶۱ھ الشیخ ابوزہرہ: ص ۹۶-۱۹۵

۱۶۲ھ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں تسہیل الوصول: ص ۴-۱۷۳

والتقریر: ص ۹۲-۸۰: ج ۳